مواعظ حکیم الامت اور دینی رسائل کی اشاعت کا امین

مدیر مسئول
مشرف علی تھانوی

ماہنامہ الامداد
لاہور پاکستان

مدیر
خلیل احمد تھانوی

شمارہ ۹	جمادی الاولیٰ ۱۴۲۲ھ / اگست ۲۰۰۱ء	جلد ۲

الخلط
(ملے جلے اعمال)

ازافادات: حکیم الامت مجدد الملت حضرت مولانا محمد اشرف علی تھانوی قدس سرہٗ

عنوانات وحواشی: مولانا خلیل احمد تھانوی

قیمت فی پرچہ=/۱۰ روپیہ ● زرسالانہ=/۱۰۰ روپے

پتہ دفتر۔ جامعہ دارالعلوم الاسلامیہ
۲۹۱۔ کامران بلاک علامہ اقبال ٹاؤن لاہور
فون نمبر ۴۴۸۰۶۰
۵۴۲۲۲۱۳
ماہنامہ الامداد

ناشر: مشرف علی تھانوی
مطبع: ہاشم اینڈ حماد پریس
۲۰/۱۳ اے رتی گن روڈ بلال گنج لاہور
مقام اشاعت
جامعہ دارالعلوم الاسلامیہ لاہور پاکستان

وعظ

الخلط

حضرت تھانوی نے یہ وعظ جامعہ مسجد تھانہ بھون میں ۱۵ ذیقعدہ ۱۳۳۱ھ کو ارشاد فرمایا تھا۔

وعظ

ملقب بہ

الخلط

(ملے جلے اعمال)

بسم اللہ الرحمٰن الرّحیم

الحمد للہ نحمدہ ونستعینہ ونستغفرہ ونؤمن بہ ونتوکل علیہ ونعوذ باللہ من شرور انفسنا ومن سیئات اعمالنا من یھدہ اللہ فلا مضل لہ ومن یضللہ فلا ھادی لہ ونشھد ان لا الہ الا اللہ وحدہ لا شریک لہ ونشھد ان سیدنا ومولانا محمّداً عبدہ ورسولہ صلی اللہ علیہ وعلیٰ اٰلہ واصحابہ وبارک وسلّم۔ اما بعد فاعوذ باللہ من الشیطن الرجیم۔ بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔ واٰخرون اعترفوا بذنوبھم خلطوا عملًا صالحاً واٰخر سیئا عسَی اللہ ان یتوبَ عَلَیھِم اِنَّ اللہ غفور رَحیم☆(۱)

اہمیت مضمون

یہ ایک آیت ہے سورۃ توبہ کی، اس کا شان نزول ایک خاص قصہ (۲) ہے

(۱) ترجمہ: اور بعض لوگ ہیں کہ اقرار کیا انہوں نے اپنے گناہوں کا۔ ملایا انہوں نے ایک نیک کام اور دوسرا بد۔ قریب ہے کہ اللہ معاف کرے ان کو، بیشک اللہ بخشنے والا مہربان ہے۔ سورۃ توبہ آیت ۱۰۲ (۲) ایک خاص واقعہ میں یہ آیت نازل ہوئی۔

مگر مجھ کو اس سے ایک عام مضمون استنباط کرنا مقصود (۱) ہے۔ اور وہ مضمون ہے فی نفسہ (۲) قدیم مگر چونکہ کانوں میں اس عنوان اور طرز خاص سے نہیں پڑا، اسلئے نیا معلوم ہوگا اور یہ میں نے اسلئے کہہ دیا کہ عوام کو عادت ہوگئی ہے کہ سن کر کہہ دیتے ہیں کہ یہ تو کوئی نئی بات نہیں۔ تو میں اول یہ کہے دیتا ہوں کہ گو باعتبار معنوں کے یہ مضمون نیا ہو لیکن مضمون جو کہ ان کی امیدوں کے باغ کو سرسبز کرنے والا اور کوتاہیوں کی اصلاح کرنے والا اور شکستہ دلوں (۳) کو قوی کرنے والا ہے اس معنی کو جدید ہوگا کہ اس اسلوب خاص سے ان کے کان آشنا (۴) نہیں ہوئے۔ اور اگرچہ میری طبیعت آج مضمحل تھی اور ارادہ بھی بیان کا نہیں تھا لیکن اس مضمون کی جدت اور بعض عزیز مہمانوں کا آنا اس کا باعث ہوا کہ اس کو بیان کردوں اور اسی وجہ سے ممکن ہے کہ مختصر ہو۔ اور ممکن کا لفظ اس لئے کہا کہ اختصار و تطویل غیر اختیاری (۵) ہے۔ اسلئے شاید کچھ تطویل بھی ہو جائے تو عجب نہیں۔

شان نزول

اول میں اس آیت کا شان نزول بیان کرتا ہوں۔ اس کے بعد اس مقصود کو مصرحاً بیان کروں گا۔ مصرحاً (۶) اسلئے کہا کہ شان نزول سے اس کی اشارۃً تعیین (۷) ہو جاوے گی۔ اور نیز شان نزول سے یہ آیت بھی حل ہو جاوے گی اور اسی پر میرا مقصود

---

(۱) مگر میرا ارادہ اس سے ایک عام مضمون اخذ کرنے کا ہے (۲) اپنی ذات کے اعتبار سے (۳) ٹوٹے ہوئے دلوں کو قوت دینے والا (۴) اس خاص طرز بیان کو ان کے کانوں نے نہیں سنا ہوگا (۵) مضمون کا چھوٹا بڑا کرنا اپنے اختیار میں نہیں اللہ تعالیٰ کو تفصیل مقصود ہوگی تو آمد مضامین ہوگی ورنہ نہیں (۶) وضاحت سے (۷) شان نزول معلوم ہونے سے تھوڑا بہت مضمون کا پتہ لگ جائیگا۔

موقوف (۱) ہے۔ قصہ یہ ہوا کہ جناب رسول اللہ ﷺ نے اعلاء کلمۃ اللہ (۲) کے لئے مقام تبوک کا سفر فرمایا تھا۔ یہ مقام مدینہ طیبہ سے دور ہے۔ شام کی جانب ہے۔ اور گرمی کی اس زمانہ میں شدت تھی۔ اور نیز مسلمانوں میں اس وقت تنگی بھی تھی۔ غرض بہت سے موانع جمع (۳) تھے اسلئے حضور ﷺ نے اس غزوہ میں معمول سے زیادہ اہتمام فرمایا اور روانگی اس طرف ہوگئی۔ بہت سے صحابہ رضی اللہ عنہم ساتھ گئے اور بعض رہ گئے رہنے والے اکثر تو منافقین تھے ان کے رہنے کی وجہ تو نفاق تھا۔ اور بعض صحابہ بوجہ کسل (۴) کے رہ گئے اور نیز بعضے کام کرنے والے بوجہ قرائن مقامیہ وحالیہ یہ بھی سمجھا کرتے ہیں کہ سب کی شرکت اس واقعہ میں ضروری نہیں (۵)۔ لیکن چونکہ حضور ﷺ نے اس سفر کا مزید اہتمام فرمایا تھا۔ اس لئے متخلفین (۶) پر ملامت بھی ہوئی لیکن منافقین پر تو اور قسم کی ملامت ہوئی۔ اور مخلصین پر ملامت بطور شکوہ (۷) کے ہوئی۔ اسلئے کہ شکایت محل ودّ (محبت) پر ہوا کرتی ہے۔

شبہ کا جواب

لیکن اس سے مخلصین کی شان میں کسی قسم کا شبہ نہ کرنا چاہئے اس لئے کہ ایسا عتاب منافی محبت (۸) کے نہیں۔ خود حضور ﷺ جو کہ احب الخلق الی اللہ ہیں کہ ملائکہ اور جنات اور انسانوں میں کوئی آپ ﷺ سے افضل نہیں خود آپ ﷺ کے بھی ایسے شکوے

(۱) مقصود کی وضاحت اسی پر مبنی ہے (۲) اللہ کے کلمہ کو بلند کرنے کیلئے (۳) بہت سی رکاوٹیں تھیں (۴) سستی کی وجہ سے (۵) بعض صحابہ مخلصین اس وجہ سے اس غزوہ میں شرکت سے رہ گئے کہ بعض قرائن سے انہیں یہ گمان ہوا کہ شاید سب کی شرکت ضروری نہیں اس لئے کہ بعض دفعہ جہاد فرض کفایہ ہوتا ہے (۶) جہاد میں شرکت نہ کرنے والوں کو تنبیہ بھی کی گئی تھی (۷) لیکن منافقین اور مومنین مخلصین دونوں کی تنبیہ میں فرق تھا (۸) اس قسم کی تنبیہ سے محبت کی نفی لازم نہیں آتی۔

ہوئے ہیں۔ اور چونکہ اس وقت میرے مخاطب وہ لوگ ہیں جو حضور ﷺ کی رسالت کو تسلیم کیے ہوئے ہیں یعنی اہل اسلام۔ اور ان میں وہ لوگ بھی ہیں جو صحابہ کے باب میں شبہات نکالتے ہیں اور اعتراض کرتے ہیں اسلئے ان پر احتجاج (۱) کیلئے حضور ﷺ کی اس قسم کی شکایت کا ہونا کافی ہے۔ چنانچہ سورۃ عبس میں حضرت عبداللہ ابن ام مکتوم رضی اللہ عنہ کی طرف ملتفت نہ ہونے پر حق تعالیٰ نے شکایت فرمائی۔ پھر جب حضرت عبداللہ تشریف لاتے تو حضور ﷺ فرماتے مرحبا بمن عاتبنی فیه ربی۔ یعنی آیئے آیئے میاں تمہاری وجہ سے تو مجھ پر میرے رب کا عتاب ہوا تھا پس ایسا عتاب موجب نقص شان تو کیا ہوتا بلکہ زیادتی خصوصیت کی علامت (۲) ہے اور اس میں بڑا لطف ہے وہ شخص خوب جانتا ہے جو محبت کی چاشنی سے آشنا ہے کہ محبوب کے عتاب وشکایت میں کیا مزہ (۳) ہوتا ہے۔

محبوبانہ عتاب قابل قدر ہے

بنوسلمہ وبنوحارثہ دو قبیلے ہیں۔ غزوہ احد میں جبکہ ہزیمت (۴) ہوئی تو کچھ ان میں سستی آئی تھی۔ لیکن ظاہر میں کوئی امر مقتضاء سستی (۵) کا واقع نہ ہوا۔ حق تعالیٰ نے ان کے بارہ میں نازل فرمایا اذ همت طائفتان منكم ان تفشلا والله وليهما (۶) یعنی یاد کرو جبکہ دو جماعتوں نے تم میں سے ارادہ کم ہمتی اور بزدلی کا کیا تھا

---

(۱) جو لوگ اس قسم کے واقعات سے صحابہ کی شان میں اعتراض کرتے ہیں ان کے جواب کیلئے عبداللہ بن ام مکتوم کا واقعہ کافی ہے (۲) اس قسم کی ڈانٹ تو دلیل ہے کہ ان سے خاص تعلق ہے (۳) جو محبت کی لذت سے واقف ہے اس کو خوب پتہ ہے کہ محبوب کے غصہ اور شکایت میں کیا لطف ہے (۴) شکست (۵) ظاہری طور پر کوئی کام ویسا سرزد نہیں ہوا جس کا سستی تقاضا کرتی ہے کہ مثلاً جہاد چھوڑ کر بیٹھ جاتے ایسا نہیں کیا (۶) آل عمران آیت ۱۲۲

اور اللہ تعالیٰ ان کا ولی ہے یعنی ان سے اس کا ظہور نہ ہونے دیا۔ یہاں سے بطور جملہ معترضہ کے ایک کام کی بات سمجھ میں آئی ہے وہ یہ ہے کہ اس سے ایک مسئلہ ثابت ہوتا ہے جس کو صوفیہ کرام نے لکھا ہے وہ یہ ہے کہ بعض بزرگوں کے اندر مرادیت (۱) کی شان ہوتی ہے۔ اس کا مقتضی یہ ہوتا ہے کہ اگر وہ گناہ کرنا بھی چاہیں تو اللہ تعالیٰ ان کو محفوظ رکھتے ہیں گناہ کا صدور (۲) ان سے نہیں ہونے دیتے۔ ایسے حضرات کو محفوظ کہا جاتا ہے۔ بنو سلمہ اور بنو حارثہ کی بھی یہی شان معلوم ہوتی ہے۔ اس لئے کہ یوں نہیں فرمایا اذ فشلت (۳) بلکہ یہ فرمایا ھمت ان تفشلا یعنی ان سے فشل کا وقوع (۴) نہیں ہوا۔ بلکہ ھم فشل ہوا (۵) تھا۔ لیکن اللہ تعالیٰ ان کا ولی ہے اس لئے ان کی حفاظت فرمائی۔ پس اس آیت میں ان پر ایک عتاب کی صورت اور بظاہر ان کے ایک نقص کا اظہار (۶) ہے مگر وہ واللہ ولیھما کے نزول سے اس قدر بشاش (۷) تھے کہ کہا کرتے تھے کہ اگر ہم سے ھمِّ فشل نہ ہوتا اور یہ آیت نازل نہ ہوتی تو ہم کو اس قدر مسرت نہ ہوتی جس قدر اب ہے۔ پس ایسا عتاب اور ایسے شکوے شکایت سے تو ان حضرات کی اور زیادہ علو شان ثابت ہوتی ہے۔

حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ کے بارہ میں حضور ﷺ نے فرمایا تھا وان رغم انف ابی ذر یعنی ضرور ایسا ہی ہوگا اگرچہ ابوذرؓ کی ناک مٹی میں ملے یعنی گو تمہاری مراد کے خلاف ہو جب ابوذرؓ یہ حدیث بیان فرماتے تو مزہ لینے کیلئے وان

---

(۱) محبوبیت کی شان (۲) گناہ کا ارتکاب (۳) کم ہمتی دکھائی (۴) کم ہمتی کا ظہور نہیں ہوا (۵) بلکہ کم ہمتی کا ارادہ ہوا (۶) بظاہر ناراضگی کی صورت سے ان کے ایک عیب کا اظہار ہے (۷) خوش۔

رغم انف ابی ذر بھی فرمادیا کرتے تھے (۱)۔

حکایت شاہ ابوالمعالی

حضرت شاہ ابوالمعالی رحمۃ اللہ علیہ کی حکایت ہے کہ ان کے ایک خلیفہ خاص حج کو جانے لگے۔ حضرت شاہ صاحب نے فرمایا کہ جب تم بارگاہ نبوی ﷺ میں حاضر ہوتو میرا بھی سلام عرض کردینا۔ جب پہنچے تو سلام عرض کیا جواب میں ارشاد ہوا کہ اپنے بدعتی پیر کو ہمارا بھی سلام کہہ دینا۔ بدعتی اس لئے فرمایا کہ شاہ صاحب کبھی کبھی دو چار شعر سن لیا کرتے تھے۔ لیکن آج کل کی طرح مجلس جما کر کہ جس میں عوام اور ہواپرستوں (۲) کا ہجوم ہوتا ہے نہیں سنتے تھے۔ اسلئے آجکل کے اہل سماع اس سے استدلال نہیں کرسکتے اور ان مجالس مخترعہ (۳) پر کسی طرح دلیل نہیں ہوسکتی لیکن اگر غور کیا جاوے تو جیسا حضرت شاہ صاحب نے سنا ہے اس پر بھی انکار حضرت کی جناب سے سمجھا جاتا ہے اس لئے کہ یہ جواب حضورؐ کا جیسے شاہ صاحب کی علوشان کی طرف مشعر (۴) ہے ایسے ہی اس فعل کی ناپسندیدگی کو بھی ظاہر کررہا ہے گو شاہ صاحب نے غلبہ حال میں سنا ہے اور وہ معذور بھی ہیں لیکن سنت کے خلاف تو ضرور کہا جاوے گا۔

---

(۱) پوری بات یہ ہے کہ ایک مرتبہ حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ من قال لا الہ الا اللہ دخل الجنۃ (جس نے لاالہ الااللہ کہا جنت میں جائے گا) حضرت ابوذرؓ نے سوال کیا کہ وان زنی وان سرق (اگرچہ زنا، اور چوری بھی کرے) آپؐ نے فرمایا ہاں وان زنی وان سرق۔ (اگرچہ زنا، اور چوری بھی کرے) حضرت ابوذرؓ نے تین دفعہ یہ سوال دہرایا۔ آپ نے تین دفعہ یہی جواب دیا اور تیسری دفعہ کلمہ مذکور بھی ارشاد فرمایا۔ حضرت ابوذر کے بار بار سوال کی وجہ یہ ہے کہ وہ ابتداً دخول سمجھ رہے تھے اور حضور ﷺ انجام کو بتارہے تھے کہ جائے گا ضرور چاہے سزا بھگت کر جائے (۲) خواہشات نفس کے تابع لوگوں کا (۳) اپنی خودساختہ مجالس کے صحیح ہونے پر اس واقعے سے دلیل نہیں لے سکتے (۴) بلندی شان کی طرف اشارہ کررہا ہے۔

القصہ جب وہ خلیفہ حج کر کے واپس آئے تو حضرت شاہ صاحب نے پوچھا کہ ہمارا اسلام عرض کیا تھا کہا کہ حضرت عرض کیا تھا۔ حضور ﷺ نے بھی سلام فرمایا ہے فرمایا کہ نہیں اسی طرح کہو جس طرح ارشاد ہوا ہے انھوں نے کہا کہ حضرت آپ کو تو معلوم ہی ہے پھر آپ کیوں پوچھتے ہیں فرمایا کہ نہیں میں وہی لفظ سننا چاہتا ہوں۔ سننے میں اور ہی مزہ ہے۔ انھوں نے اسی طرح کہہ دیا کہ یوں ارشاد ہوا تھا۔ شاہ صاحب پر اسی وقت ایک حالت طاری ہوئی اور یہ شعر پڑھا۔

بدم گفتی وخرسندم عفاک اللہ نکو گفتی
جواب تلخ می زیبد لب لعل شکر خارا

(مجھ کو تو نے برا کہا میں خوش ہوں اللہ تجھے معاف کرے تو نے صحیح بات کہی تیرے شیریں ہونٹوں کے لئے یہی جواب تلخ زیب دیتا ہے)

غرض اہل محبت ایسے عتاب کا لطف جانتے ہیں پس اگر صحابہؓ پر عتاب ہوا بھی ہے تو وہ اس قسم کا تھا۔

غزوہ تبوک میں شرکت نہ کرنے والوں کا حال

الحاصل جب ان متخلفین (۱) کی جماعت نے سنا کہ حضور ﷺ واپس تشریف لا رہے ہیں تو جو ضعیف الایمان (۲) یا منافق تھے ان کو تو خیالات اور وساوس نے گھیرا کہ کیا بات بناویں (۳) جس سے ہماری نجات ہو۔ کسی نے کوئی عذر تراشا کسی نے کوئی گھڑا۔ اور جو مخلصین تھے ان میں بعض تو حیران رہ گئے کہ کیا کہیں اور بعض وہ تھے کہ انھوں نے عزم کر لیا (۴) کہ جو کچھ بھی ہو جو امر واقعی (۵) ہے وہ عرض کریں گے۔ چنانچہ

(۱) پیچھے رہ جانے والوں کی جماعت نے (۲) کمزور ایمان (۳) کیا بہانہ گھڑیں (۴) پختہ ارادہ کر لیا (۵) جو سچی بات ہے۔

جب حضور ﷺ تشریف لائے تو یہ متخلفین حاضر(۱) ہوئے۔ پہلی جماعت نے تو جو حیل اور اعذار(۲) سوچ تھے عرض کردیے۔ حضور ﷺ نے ان سے بالکل تعرض(۳) نہ فرمایا۔ اور بعض صحابہؓ نے سچا حال عرض کردیا کہ یا رسول اللہ ﷺ کوئی عذر نہ تھا ہم کو کسل(۴) رہا۔ اور بعض نے اپنے عزیزوں سے کہا کہ ہم کو کھمبوں سے باندھ کر کھڑا کردو۔ ہم اس قابل نہیں کہ حضور ﷺ کو منہ دکھلاویں۔

وہ عزیز بھی ایسے تھے کہ انھوں نے کچھ مزاحمت نہیں کی۔ آجکل تو جو اللہ تعالیٰ کے راستہ کی طرف رجوع کرتا ہے بزرگوں کی خدمت میں آمدورفت رکھتا ہے یا کسی کی اولاد انگریزی چھوڑ کر علم دین پڑھتی ہے یا کوئی عبادت میں مشغول ہوتا ہے تو اس سے مزاحمت(۵) کرتے ہیں۔ ہاں اگر کوئی شخص سچا نائب ہو جناب رسول مقبول ﷺ کا اور وہ اپنے اتباع کی کسی افراط یا تفریط پر مزاحمت(۶) کرے تو دوسری بات ہے۔ لیکن عزیزوں کی مزاحمت اس قبیل(۷) کی نہیں ہے اور اکثر لوگ تو ان مزاحمتوں اور روک ٹوک سے کچے ہوجاتے ہیں اور ہٹ جاتے ہیں۔ اور بعض کے اندر پختگی اور زیادہ ہوجاتی ہے۔

شیخ عبدالحقؒ کا حال

حضرت شیخ عبدالحق ردولوی رحمۃ اللہ علیہ بچپن میں رات کو اٹھ کر تہجد پڑھتے تھے اور ذکر اللہ کیا کرتے تھے۔ ماں دیکھ کر کڑھتی تھیں اور مزاحمت(۸) کرتی تھیں اور

---

(۱) پیچھے رہ جانے والے (۲) جو بہانے اور عذر سوچے تھے (۳) کچھ باز پرس نہ کی (۴) صرف سستی مانع رہی (۵) جھگڑا کرتے ہیں (۶) اپنے چھوٹوں کی دین میں کسی کمی زیادتی پر جھگڑا کرے تو اور بات ہے (۷) اس قسم کی نہیں ہے (۸) دل برا کرتیں اور روکتی تھیں۔

اگر چہ وہ براہ شفقت ہی کرتی تھیں لیکن حضرت شیخ نے فرمایا کہ یہ ماں کدھر سے ہے۔ یہ تو راہزن اور ڈاکو(۱) ہے۔ اس جگہ کا رہنا چھوڑ دیا اور دہلی تشریف لے آئے وہاں طالب علمی شروع کی نحومیر یا ایسی کتاب میں مثال آئی۔ ضرب زید عمروا۔ مارا زید نے عمرو کو پوچھا کہ عمرو نے کیا قصور کیا تھا کیوں مارا؟ استاد نے کہا کہ صاحبزادے یہ تو فرضی مثال ہے۔ فرمایا تو یہ جھوٹ ہے۔ فرمایا میں ایسی کتاب نہیں پڑھتا۔ جس میں جھوٹ یا ظلم کی تعلیم ہو۔ اس زمانہ کے ایک شہزادہ تھے۔ انہوں نے ان کو دیکھ کر کہا ان کو چھوڑ دو۔ یہ اور کام کے لئے پیدا ہوئے ہیں۔ شاید اس قصہ کو سن کر بعض لوگ خود رائی کر کے ماں باپ کو اس بناء پر چھوڑ دیں کہ اپنے آپ کو بھی ان پر قیاس کرنے لگیں تو یاد رکھنا چاہئے کہ نہ تو نیک کام ماں باپ یا کسی کے کہنے سے چھوڑنا چاہئے اور نہ ماں باپ سے مہاجرت اور قطع تعلق(۲) چاہئے۔ وہ تو مغلوب الحال تھے اس لئے معذور تھے کوئی اور اگر ایسا کرے گا تو چونکہ خود رائی سے ہوگا اس لئے وہ مذموم و منہی عنہ(۳) اور رائے کا اتباع ہوگا اور منشا اس کا خود بینی اور خود رائی(۴) ہوگا۔ اور خود رائی کی نسبت حافظ شیرازی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔

فکر خود و رائے خود در عالم رندی نیست
کفر است دریں مذہب خودرائی و خودبینی

(اپنی فکر اور اپنی رائے عالم رندی میں کوئی حیثیت نہیں رکھتی۔ خود رائی اور خود بینی اس مذہب میں کفر ہے)

---

(۱) یہ ماں نہیں چور ڈاکو ہے (۲) ماں باپ سے علیحدگی نہ کرے اور تعلق نہ توڑے (۳) برا اور روکنے کے قابل ہے (۴) اس کی وجہ تکبر اور اپنی رائے پر عمل کرنا ہے۔

حاصل یہ ہے کہ مزاحمتوں سے متاثر بھی نہ ہو اور نہ عزیزوں سے بدوں وجوب شرعی قطع تعلق (۱) کرے۔ البتہ اگر وہ کچھ زیادتی کریں اور قطع (۲) کردیں تو دوسری بات ہے۔ غرض اس وقت کے عزیز بھی ایسے تھے کہ انھوں نے کہا کہ ہم کو ستونوں سے باندھ دو انھوں نے باندھ دیا ان کے باب میں یہ آیت شریفہ نازل ہوئی۔ چنانچہ ارشاد ہے واخرون اعترفوا بذنوبھم خلطوا عملا صالحا واخر سیئا عسی اللہ ان یتوب علیھم ان اللہ غفور رحیم (۳)

شروع رکوع سے ان مخلصین کی فضیلت کا بیان ہے کہ جو ہمراہ حضور ﷺ کے گئے اور اس کے بعد منافقین کا ذکر ہے اس کے بعد یہ آیت ہے جس کا حاصل یہ ہے۔ اور ایک گروہ اور ہے جنہوں نے اپنے گناہوں کا اقرار کرلیا۔ گو فعلاً سہی۔ انہوں نے عمل صالح اور عمل بد دونوں کو خلط (۴) کیا ہے۔ اللہ تعالی عنقریب ان پر رحمت کے ساتھ رجوع فرمادیں گے اور اللہ بخشنے والے اور رحم فرمانے والے ہیں۔ اور بعض ایسے تھے کہ پہلے سے ان کی سمجھ میں کچھ نہیں آیا کہ کیا کریں مگر تشریف آوری کے بعد سچ کہہ دیا اور ان کو مہلت دی گئی ان کی شان میں ارشاد ہے۔ واخرون مرجون لامر اللہ اما یعذبھم واما یتوب علیھم (۵) یعنی ایک گروہ اور ایسا ہے کہ اللہ کے حکم کے واسطے میعاد (۶) دیے گئے ہیں یا تو ان پر اللہ تعالی رجوع فرماویں گے یعنی ان کی توبہ قبول فرماویں گے اور یا ان کو عذاب دیں گے۔

---

(۱) عزیزوں کی مخالفتوں سے متاثر بھی نہ ہو اور ان سے تعلق بھی نہ توڑے (۲) توڑ دیں (۳) سورۃ توبہ آیت ۱۰۲ (۴) اچھے اور برے عمل کو ملا دیا ہے (۵) سورۃ توبہ آیت ۱۰۶ (۶) یعنی اللہ تعالی کے حکم آنے تک انہیں مہلت دی گئی ہے۔

اور ان کے لئے یہ حکم ہوا کہ ان سے کوئی نہ بولے نہ بیوی نہ بچے نہ دوست۔ اب جدھر جاتے ہیں سناٹا جماعت کی نماز پڑھنے جاتے ہیں لیکن کوئی ان سے نہ بولتا تھا۔

کعبؓ بن مالک کی کیفیت

ان میں سے ایک کعب بن مالک رضی اللہ عنہ اور ان کے دوست تھے۔ کعب بن مالک فرماتے ہیں کہ میں تو جری (۱) تھا اپنے سب کام کرتا تھا اور سب جگہ آتا جاتا تھا۔ اور حضور علیہ ﷺ کی خدمت میں بھی جاتا تھا۔ حضور علیہ ﷺ منہ پھیر لیتے تھے لیکن جس وقت میں نہ دیکھتا تھا تو حضور علیہ ﷺ مجھ کو دیکھتے تھے اور میرے جو دوست تھے وہ ذرا ضعیف تھے (۲) انھوں نے یہ کیا کہ بس گھر میں بیٹھ کر رونا شروع کیا۔ اور فرماتے ہیں کہ مجھ کو زیادہ فکر اس کا تھا کہ اگر اس مدت میں میں مرگیا تو کیا حشر ہوگا۔ اور حضور علیہ ﷺ کی اس میعاد میں وفات ہوگئی تو پھر اس حکم کا منسوخ کرنے والا کون ہوگا۔ یہ تصور بندھ کر سخت قلق تھا حق تعالیٰ نے بھی ان کی اس حالت کو بیان فرمایا ہے چنانچہ ارشاد ہے۔ وضاقت علیهم الارض بما رحبت وضاقت علیهم انفسهم وظنوا ان لا ملجا من الله الا الیه (۳)۔ یعنی ان پر تنگ ہوگئی زمین باوجود اس کی کشادگی کے اور تنگ ہوگئی ان پر ان کی جانیں اور انھوں نے یقین کرلیا کہ کوئی ٹھکانا نہیں اللہ سے، مگر اس کی ہی طرف۔ اللہ اکبر، ان حضرات کو کیا عشق تھا اور کیا استقامت (۴) تھی۔

اسی مدت میں شاہ غسان کو اس واقعہ کی خبر ہوئی اس نے کعب بن مالک کے

(۱) دلیر (۲) کمزور (۳) سورۃ التوبہ آیت ۱۱۸ (۴) دین پر کتنے مضبوط تھے۔

نام خط لکھا کہ مجھ کو معلوم ہوا ہے کہ تمہارے صاحب نے تمہارے ساتھ سختی کا برتاؤ کیا ہے اور تمہاری قدر نہیں جانی۔ آپ یہاں آجایئے آپ کی قدر کی جائے گی اور منشاء اس کا یہ تھا اور یہ سازش تھی اس بات کیلئے کہ ان میں سے بڑے بڑے آدمیوں کو میں توڑلوں۔ پس جب آدمی خط لے کر آیا تو اس نے لوگوں سے پوچھا کہ کعبؓ بن مالک کہاں ہیں تو لوگ بولے نہیں۔ اللہ اکبر اتباع اور اطاعت اور احتیاط اس کو کہتے ہیں کہ ان کے متعلق بھی اگر کوئی شخص پوچھتا ہے تو جواب نہ دیتے۔ اشارہ کر دیا کہ یہ ہیں۔

اسی طرح کعب بن مالکؓ ایک اور قصہ بیان فرماتے ہیں کہ میرا ایک چچازاد بھائی تھا۔ ایک مرتبہ وہ باغ میں تھا میں بھی وہاں پہنچا تو مجھ سے نہ بولا مجھ کو سخت رنج ہوا۔ پس جب انھوں نے خط دیکھا تو بہت پھوٹ کر روئے کہ اللہ اکبر اب میں اس حالت کو پہنچ گیا کہ غیر لوگ میرے بارہ میں طمع (۱) کرنے لگے۔ اور کچھ جواب نہیں دیا اور خط تنور میں جھونک (۲) دیا۔

غرض اسی طرح پچاس دن گزرے اس کے بعد حق تعالیٰ کی رحمت متوجہ ہوئی چنانچہ آیت واخرون مرجون لامر اللہ (۳) کے بعد آیت لقد تاب اللہ علی النبی والمھاجرین (۴) الخ میں ان ہی کی قبول توبہ کا ذکر ہے اور آیت واخرون اعترفوا الخ میں ان ستون سے بندھنے والوں کیلئے قبول توبہ کی بشارت ہے اٰخرون اس آیت میں مبتدا ہے اور تصحیح ابتدائیت کیلئے قوم مقدر ہے خلطوا حال ہے اعترفوا کی ضمیر سے ترجمہ آیت کا پہلے گزر چکا ہے۔

---

(۱) لالچ (۲) تنور میں ڈال دیا (۳) سورۃ التوبہ آیت ۱۰۶ (۴) سورۃ التوبہ آیت ۱۱۷

تفسیر آیت

یہاں اس کی کچھ تفسیر عرض کی جاتی ہے اعتراف یہاں اعتراف فعلی(۱) کو فرما دیا کہ ستونوں سے اپنے آپ کو بندھوا لیا عملاً دکھلا دیا کہ ہم سے بڑا جرم ہوا ہے۔ اور حالت ان کی یہ ہے کہ عمل صالح یعنی اعتراف ذنوب کو عمل بد یعنی تخلف عن غزوہ تبوک کے ساتھ ملا دیا(۲)۔ اس مقام پر ایک طالب علمانہ شبہ ہوتا ہے وہ یہ ہے کہ جہاد میں جانا تو فرض کفایہ ہے جب ایک جماعت نے اس فرض کو ادا کر لیا تو سب کی طرف سے ادا ہو گیا پھر واخر سیئا(۳) کے کیا معنی؟

جواب اس کا یہ ہے کہ حضور ﷺ نے اس غزوہ کیلئے امر عام(۴) فرمایا تھا اس لئے وہ فرض عین ہو گیا تھا اور حضور ﷺ کی شان تو اعلیٰ وارفع ہے اگر امام المسلمین کسی امر مباح(۵) کا بھی امر کردے تو وہ فرض عین ہو جاتا ہے آگے ارشاد ہے عسی اللہ ان یتوب علیھم(۶) امید ہے کہ اللہ تعالیٰ ان پر رجوع فرماویں گے۔ یہ شاہی محاورہ ہے چنانچہ حکام کہتے ہیں کہ تم کو امید رکھنا چاہئے۔ اور کہتے ہیں کہ ممکن ہے کہ تمہارا ہی کام ہو جاوے۔ اور مقصود وعدہ حتمی(۷) ہوتا ہے۔ اور یہاں تو وعدہ سے بڑھ کر وقوع(۸) ہو گیا تھا۔ چنانچہ ستونوں سے کھلوا دیے گئے تھے۔

اور اس محاورہ کی وجہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ جس کو بادشاہی عطا فرماتے ہیں اس

---

(۱) "فاعترفوا" میں جس اعتراف کا ذکر ہے اس سے مراد فعلاً اعتراف گناہ ہے کہ اپنے آپ کو گناہگار سمجھ کر ستونوں سے باندھ لیا (۲) اپنی غلطی کا اعتراف کر لینا ایک نیک عمل ہے اور غزوہ تبوک میں شریک نہ ہونا اور پیچھے رہ جانا یہ ایک برا عمل تھا سو انہوں نے دونوں کو ملا دیا کہ ایک عمل اچھا ایک برا (۳) دوسروں کو گناہگار کیوں قرار دیا جبکہ فرض کفایہ اگر چند افراد کر لیں تو سب سے ساقط ہو جاتا ہے نہ کرنے والے گناہگار نہیں ہوتے (۴) حضور ﷺ نے عام حکم دیا تھا اس لئے فرض عین تھا (۵) جائز کام کا حکم (۶) سورۃ توبہ آیت ۱۰۲ (۷) پختہ وعدہ (۸) واقع ہو گیا۔

میں ایک خاص شان اور آن پیدا ہو جاتی ہے جس کا مقتضاء یہ ہوتا ہے کہ اس کے فعل اور قول میں انداز حاکمانہ ہوتا ہے پس وعدہ بھی اگر کسی سے کرتے ہیں تو وعدہ کے صیغہ سے نہیں کرتے۔ اس لئے کہ وعدہ ہو تو پھر دوسروں کو مطالبہ کا حق حاصل ہو جاتا ہے اور یہ ایک قسم کی مغلوبیت (۱) ہے بلکہ یہ کہتے ہیں کہ تم کو امید رکھنا چاہئے اور کہتے ہیں کہ شاید ہم ایسا کر دیں اور چونکہ حق تعالیٰ کو احکم الحاکمین اور سب بادشاہوں کے بادشاہ ہیں اس لئے یہی ان کے کلام کا بھی انداز ہے بلکہ مخلوق کے کلام میں خواہ وہ ہفت اقلیم کا بادشاہ ہو کسی نہ کسی جگہ مغلوبیت اور مقہوریت کا انداز (۲) ضرور آجائے گا اس لئے کہ وہ فطرۃً ایک زبردست قوت کا مغلوب ہے اور حق تعالیٰ کے کلام میں اول سے آخر تک دیکھ لیجئے یہ معلوم ہوتا ہے کہ اس کا متکلم کسی سے دبنے والا نہیں اور سب پر غالب ہے۔

ترجمہ قرآن میں قابل اہتمام بات

یہاں سے یہ بات معلوم ہوئی کہ قرآن شریف کا ترجمہ اگر کیا جاوے تو اس میں اس شان کلام کو ضرور ملحوظ رکھنا چاہئے کہ شاہی محاورات آویں۔ بازاری محاورے نہ ہوں۔

آجکل ڈپٹی نذیر احمد صاحب کا ترجمہ قرآن شریف شائع ہوا ہے اور لوگ اس پر بامحاورہ ہونے کی وجہ سے فریفتہ ہیں لیکن انھوں نے علاوہ مضامین میں غلطیاں کرنے کے محاورہ کے اس قدر پیچھے پڑے ہیں کہ اس شاہی انداز کو بالکل نظر انداز

(۱) ایک اعتبار سے مغلوب ہوتا ہے (۲) چاہے سات سمندروں کی حکمرانی اس کو حاصل ہو کہیں نہ کہیں مغلوب ہوگا۔

کردیا ہے چنانچہ یعمھون کا ترجمہ کیا ہے کہ ٹامک ٹوئیاں مارا کریں۔ یہ نہایت گنوارو محاورہ ہے۔

اس کے محاورہ ہونے میں تو کلام نہیں لیکن یہ محاورہ ہے گنواروں بلکہ سڑیل عورتوں کا جیسے قاری عبدالرحمٰن صاحب رحمۃ اللہ علیہ غالی غیر مقلدوں کی نسبت فرمایا کرتے تھے کہ یہ لوگ اپنے آپ کو عامل بالحدیث کہتے ہیں اس میں شک نہیں کہ عامل بالحدیث ہیں لیکن کلام اس میں ہے کہ کس کی حدیث مراد ہے۔ حدیث الرسول ﷺ پر عامل (۱) نہیں حدیث النفس پر عامل ہیں۔ ایک شعر بھی مجھے اسی مضمون کا یاد آیا۔

واعظ شہر کہ مردم ملکش میخوانند

قول ما نیز ہمیں است کہ آدم نیست

(واعظ شہر کہ لوگ جس کو بادشاہ کہتے ہمارا بھی یہی قول ہے مگر یہ میرا لایا ہوا قول نہیں ہے)

بس ایسا ہی یہ ترجمہ ہے کہ بامحاورہ تو ہے لیکن گنوار محاورہ ہے شاہی محاورہ نہیں ہے۔

رفع اشکال

اور یہاں سے ایک اور اشکال بھی حل ہوا وہ یہ ہے کہ قرآن مجید میں جہاں کہیں عسی یا لعل آیا ہے وہاں مفسرین نے اشکال کیا ہے کہ حق تعالیٰ کو تو علم ما کان وما یکون حاصل ہے پھر عسی اور لعل کے کیا معنی (۲)؟ پھر اس کے

---

(۱) حضور ﷺ کی بات پر عمل کرنے والے نہیں بلکہ نفس کی بات پر عمل کرنے والے ہیں (۲) اللہ کو تو کیا ہوا ہے کیا ہوگا سب معلوم ہے پھر شاید اور عنقریب ایسا ہو وغیرہ کہنے کا کیا مطلب۔

مختلف جواب دیے ہیں لیکن تقریر مذکور پر کوئی اشکال ہی نہیں۔ نہایت بے تکلف اور لطیف معنی ہیں پس عسی اس آیت میں وعدہ ہے اور حق تعالیٰ کے وعدہ میں خلاف نہیں ہوتا۔

قبولیت توبہ پر صحابہؓ کا عمل

چنانچہ اس وعدہ کے ساتھ ہی توبہ بھی قبول ہوگئی اور حضور ﷺ نے ان کو خود تشریف لے جا کر اپنے دست مبارک سے کھول دیا اور اس کے بعد وہ آپ کی خدمت میں کچھ مال بھی لائے۔ کہ ہماری طرف سے نیک راہ میں صرف فرما دیجئے اور اس پر آیت خذ من اموالھم صدقة نازل ہوئی جیسا واخرون مرجون کے مورد میں بھی کعب بن مالک نے اپنی توبہ قبول ہونے کی خوشی میں اپنا تمام مال حضور ﷺ کے سامنے پیش کر دیا تھا کہ اس کو جہاں چاہیں صرف کریں کہ اسکی وجہ سے مجھ کو تخلف کی نوبت آئی۔

توفیق توبہ پر ہمارا عمل

سبحان اللہ صحابہ کا کیا ایمان تھا۔ ہمارے مقبول ہونے کے کچھ آثار ہم کو اگر موہوم ہو جاویں اور کوئی بات بزرگی کی اپنے اندر پاویں تو برعکس ہم (۱) اوروں ہی سے امیدوار ہوں کہ ہم کو کچھ نذر پیش کریں اس لئے کہ ہم اب بزرگ، مخدوم ہو گئے۔ غرض دین کا کام کر کے بھی اس کے عوض میں متوقع دنیا ہی کے رہتے ہیں چنانچہ ایک سب انسپکٹر کی بیوی نماز پڑھا کرتی تھی۔ تو وہ اس کو کہا کرتے تھے کہ نیک بخت تجھ کو نماز پڑھنے سے کیا ملا کرتا ہے۔ افسوس ہم لوگوں کے اندر دنیا ایسی رگ وریشہ میں گھسی ہے کہ ہر امر میں اسی کو قبلہ وکعبہ بنالیا

(۱) اس کے برخلاف۔

ہے اگر کوئی توبہ کر کے اعمال صالحہ میں مشغول ہوتا ہے تو اسی دن سے منتظر ہوجاتا ہے کہ میرے مال میں برکت ہوگی کہیں سے کچھ ملے گا۔

ہمارے اعمال کی حقیقت

حالانکہ صاحبو! کیا ہمارے اعمال اس قابل ہیں کہ ہم کو ان پر اجر کی توقع ہو واللہ اگر سزا ہی نہ ہو تو غنیمت ہے۔ کیونکہ ہمارے ان اعمال کی تو ایسی مثال ہے کہ جیسے کوئی نمک حرام باورچی کھانا روزمرہ بگاڑ دیا کرے اور آقا اسکو بجائے سزا کرنے کے اسکا قصور معاف کر دیا کرے اور وہ بزعم خود یہ سمجھ کر کہ میں نے کھانا پکایا ہے یہ کہے کہ کچھ دلوایئے۔ آقا جواب دے گا کہ کس بات کا مانگتا ہے۔ ارے اسی کو غنیمت سمجھ کہ میں نے سزا نہیں دی۔ یہی حالت ہمارے اعمال کی ہے کہ جب وہ موافق شرائط کے نہیں ہوتے تو گویا ہم بگاڑ رہے ہیں پھر انعام کی توقع کیسی البتہ ہم کو اس شکر کے طور پر کرنا چاہئے کہ ہم کو عمل کی توفیق ہوئی بلکہ بعض آیات سے تو یہ معلوم ہوتا ہے کہ اگرچہ وہ آیت درجہ وجوب میں منسوخ (۱) ہے کہ اگر اعمال صالحہ کی نیت بھی ہو جب بھی کچھ خرچ کرنا چاہئے چنانچہ ارشاد ہے۔ یا ایھا الذین امنوا اذا ناجیتم الرسول فقدموا بین یدی نجویکم صدقۃ (۲) یعنی اے ایمان والو جب تم جناب رسول اللہ ﷺ سے پوشیدہ بات کرنا چاہو۔ تو پہلے کچھ صدقہ کر دو۔ مناجات (۳) رسول ﷺ ظاہر ہے کہ اعمال صالحہ میں سے ہے پس اس کے ارادہ پر صدقہ دینے کا حکم ہوا۔

(۱) یعنی اب یہ حکم نہیں ہے کہ اگر نیک عمل کا ارادہ بھی کرے تو کچھ خرچ کرے (۲) سورۃ المجادلہ آیت ۱۲
(۳) رسول اللہ ﷺ سے تنہائی میں بات کرنا اعمال صالحہ میں سے ہے۔

سیدوں کو زکوٰۃ کی رقم دینا درست نہیں

اور سبحان اللہ کیا بلاغت ہے یوں نہیں فرمایا فقدموا بین یدیکم نفقة اس لئے کہ اس میں کسی ملحد کو یہ شبہ کرنیکی گنجائش ہوسکتی تھی کہ ان کے رسول ﷺ نے اپنی کمائی کے بھی خوب ڈھنگ نکال رکھے تھے۔ اب یہ شبہ نہیں ہوسکتا اس لئے کہ صدقات واجبہ کا مال جیسا کہ صیغہ امر سے اس صدقہ کا وجوب معلوم ہوتا ہے حضور ﷺ اور حضور ﷺ کی اولاد کیلئے بلکہ مطلق بنی ہاشم کے لئے حرام تھا۔ اس لئے کہ صدقہ کو اوساخ الناس (۱) فرمایا ہے ہاں صدقات نافلہ بنی ہاشم کے لئے جائز ہیں اور آپؐ کیلئے وہ بھی حرام تھے آجکل جن لوگوں نے سادات کیلئے زکوٰۃ دینے کا فتویٰ دیا ہے سخت غلطی کی ہے۔ حضور ﷺ کا یہ شرف ہے کہ آپؐ اور آپ کی اولاد کیلئے اموال زکوٰۃ و صدقات واجبہ حرام (۲) کیے گئے ہیں۔ غرض ان احکام کے بعد اب کس منہ سے کوئی یہ اعتراض کرسکتا ہے اور اگر کوئی کہے کہ گو صدقات واجبہ حرام کردیے لیکن صدقات نافلہ تو جائز ہیں تو اپنی اولاد کیلئے یہ مد تو رکھا، تو جناب رسول ﷺ نے اس کے لئے حق تعالیٰ سے عرض کر کے ایک بند لگا دیا ہے۔ چنانچہ دعا فرمائی ہے اللھم اجعل رزق آل محمد قوتا یعنی اے اللہ آل محمد ﷺ کا رزق قوت کیجئے یعنی ان کو اتنا ہی ملے جس سے گزر کرلیں پس حق تعالیٰ سے بھی عرض کر گئے کہ ان کو زیادہ نہ ملے۔

ساری دنیا سے بہتر چیز

حدیث شریف میں قصہ وارد ہے کہ سیدنا فاطمہ رضی اللہ عنہا کے دست

---

(۱) لوگوں کے مال کا میل (۲) زکوٰۃ، صدقہ فطر، نذر وغیرہ ہاں ویسے اگی مدد کی جائے جس کو صدقہ نافلہ کہتے ہیں

مبارک میں چکی پینے سے چھالے پڑ گئے تھے ان سے کہا گیا کہ حضور ﷺ کے ہاں غلام باندی بہت آتے ہیں ایک آپ بھی مانگ لیں چنانچہ حضور ﷺ کے ہاں تشریف لے گئیں لیکن حضور ﷺ دولت خانہ میں تشریف نہ رکھتے تھے جب حضور ﷺ تشریف لائے تو حضرت عائشہؓ نے حضرت صاحبزادی کا تشریف لانا ذکر فرمایا۔ حضور ﷺ خود ان کے ہاں تشریف لے گئے وہ اس وقت لیٹی تھیں اٹھنے لگیں۔ حضور ﷺ نے فرمایا کہ تم اسی حالت سے رہو۔ فرمایا اے فاطمہ! تم لونڈی غلام کی درخواست کرتی ہو کیا میں تم کو اس سے اچھی اور بہتر شے نہ بتاؤں؟ جب تم سونے لگو تو سبحان اللہ ۳۳ مرتبہ، الحمد للہ ۳۳ مرتبہ، اور اللہ اکبر ۳۴ مرتبہ، پڑھ لیا کرو۔ یہ لونڈی غلام سے بہتر ہے۔ سید المؤمنین اس پر راضی ہوگئیں تو حضور ﷺ نے اپنے اور اپنی اولاد کے لئے تنعم اور دنیا کو مطلقاً(۱) پسند نہیں فرمایا چہ جائیکہ صدقات واجبہ وہ تو حرام تھے ہی اس لئے آیت میں لفظ صدقہ فرمایا جس کا صرف کرنا اپنے لئے آپ کو اور آپ کے اہل بیت کو جائز ہی نہ تھا تا کہ یہ شبہ ہی بالکل زائل ہو جاوے کہ حضور ﷺ نے نعوذ باللہ اپنے لئے آمدنی کا طریقہ نکالا تھا اس لئے کہ صدقہ کا قانون اور ایکٹ معلوم ہے کہ وہ رقم تو حضور ﷺ کے یہاں نہ آوے گی۔

بلاغت قرآن

پس جب یہ قانون ہوا تو لوگ ڈر گئے اس لئے کہ بعضوں کے پاس روپیہ تھا اور بعضوں کے پاس کچھ بھی نہ تھا اور حضور ﷺ سے باتیں کرنے کے سب دلدادہ اور شیفتہ تھے۔ اس قانون پر عمل صرف حضرت علی رضی اللہ عنہ عمل کرنے پائے تھے کہ فوراً

(۱) دنیوی راحت و آرام بالکل پسند نہیں فرمایا۔

دوسری آیت اس کی ناسخ نازل ہوئی۔ ءاشفقتم ان تقدموا بین یدی نجوٰیکم صدقٰت فاذلم تفعلوا وتاب اللہ علیکم (۱) الخ۔ (یعنی کیا تم اس بات سے ڈر گئے کہ اپنی سرگوشی سے پہلے صدقات پیش کرو۔ پس جب تم نے نہ کیا (بوجہ غیر مستطیع (۲) ہونے کے) اور اللہ تعالیٰ نے تم پر رجوع فرمایا (یعنی اس حکم کو منسوخ کرنے سے تم پر رحمت فرمائی الخ) سبحان اللہ قرآن شریف کی کیا بلاغت ہے۔ اول آیت میں تو صدقۃ لفظ مفرد سے فرمایا اور دوسری آیت میں صدقات کو جمع کے صیغہ سے لائے اشارہ اس طرف ہے کہ ہمارے بندے ہمارے رسول ﷺ کے ایسے چاہنے والے ہیں کہ ان کو بغیر رسول ﷺ سے بات کیے ہوئے چین نہ آوے گا اور بہت سے صدقات دینے پڑیں گے۔

حضرت عمرؓ کے دل میں عظمت قرآن

خیر میری غرض اس آیت اور اس کے شان نزول کے نقل کرنے سے یہ ہے کہ اعمال صالحہ کی توفیق ہونے کا مقتضی (۳) تو یہ ہے کہ اس پر کچھ خرچ کرنا چاہئے۔ چنانچہ جب حضرت عمرؓ کی سورۃ بقرہ ختم ہوئی تو انھوں نے ایک ایسی اونٹنی اللہ تعالیٰ کی راہ میں ذبح کی تھی جس کی ان کو تین سو اشرفیاں ملتی تھیں۔ آج تو سارا قرآن شریف یاد ہونے پر اگر حافظ جی کو پانچ روپے دے دیے تو گویا حافظ جی کو خرید لیا۔ اس زمانہ میں مولویوں اور معلم قرآن اور مسجد کے موذن کی کچھ قدر نہیں۔ خیر مولویوں کی تو کچھ تھوڑی بہت ہے بھی لیکن قرآن شریف پڑھانے والوں کی تو کچھ بھی نہیں بہت سے

---

(۱) سورۃ المجادلۃ آیت ۱۳ (۲) تمہارے پاس اس رقم کے دینے کی قدرت نہیں جس کی وجہ سے نہ دیا (۳) اعمال صالحہ کی توفیق ہونے کا تقاضا یہ ہے کہ اس نعمت کے حصول پر کچھ رقم صدقہ کی جائے۔

بہت تنخواہ حافظ کی مقرر کریں گے تو چار پانچ روپے۔ اور بیچارے مؤذنوں کو تو کون پوچھتا ہے ان کو تو بہت ذلیل اور اپنا خادم سمجھتے ہیں۔ سب کام مؤذنوں ہی کے ذمہ ہے۔ پانی گرم کرنے کیلئے گوبر(۱) اور کوڑا لانا بھی اسی کے ذمہ ہے۔ اور محلہ بھر کے گھروں کے کام کرنا بھی اس کے ذمہ سمجھا جاتا ہے۔ صاحبو! مؤذنوں کی حدیث شریف میں بڑی فضیلت آئی ہے۔ ان کی قدر کرنا چاہئے۔ یہ سرکاری آدمی ہیں، سمن الٰہی لانے والے ہیں۔ دیکھو اگر سمن لانے والے چپراسی کی کوئی اہانت کرے تو سخت جرم ہے۔ اسی طرح ان کی عزت کرنا چاہئے اور مؤذنوں کو بھی چاہئے کہ اپنے منصب کی حفاظت کریں۔ یعنی افعال ناشائستہ سے احتراز کریں اور قرآن شریف کے پڑھانے والوں کی بھی قدر کرنا چاہئے۔

حدیث شریف میں ہے تم میں بہتر وہ ہے جو قرآن شریف کی تعلیم کرے ہمت سے زیادہ ان کی خدمت کرو۔ یہ نہیں کہ پانچ روپے پر ٹال دو۔ دیکھو ابھی معلوم ہو گیا کہ حضرت عمرؓ نے صرف سورہ بقرہ کے ختم پر تین سو دینار کی اونٹنی، کہ ایک ایک دینار دس دس درہم کا ہوتا ہے، اور ایک ایک درم تقریباً سوا چار آنے کا اتنے کی ذبح کر دی جو آجکل یہاں کے سکہ سے ایک ہزار روپیہ سے زائد(۲) کی ہوتی ہے۔ اس وقت کوئی تمام قرآن شریف کے ختم پر ایک ہزار پیسے بھی نہیں دیتا وجہ اس کی یہ ہے کہ وہ حضرات اس کی قدر جانتے تھے اور اس کو ہی دولت سمجھتے تھے اور زبان حال سے کہتے تھے۔

---

(۱) بھینس کا گو (۲) یہ اس زمانے کی بات ہے اب تو اس سے بھی کہیں زیادہ مالیت ہوگی اس لئے کہ جب دس درہم کا ایک دینار تو تین سو دینار کے تین ہزار درہم ہوئے اور درہم چاندی کا ہوتا ہے اور دینار سونے کا ہوتا ہے دس درہم کا وزن حضرت تھانوی نے بہشتی زیور میں ۲ تولہ ساڑھے سات ماشہ چاندی لکھا ہے۔ آج کے حساب سے تو دس ہزار سے بھی زائد مالیت بنتی ہے۔

قیمتِ خود ہر دو عالم گفتۂ ۔۔۔ نرخ بالا کن کہ ارزانی ہنوز

(اپنی قیمت دونوں عالم کے برابر بتائی ہے مگر تیرا یہ بھاؤ اب بھی سستا ہے اسے کچھ مہنگا کر)

صاحبو! اس نعمت کے مقابلہ میں تو ساری دنیا بھی ہیچ ہے۔

معصیت سے توبہ کے بعد صدقہ کا فائدہ

الحاصل جن حضرات کی توبہ قبول ہوئی تھی اس خوشی میں وہ اپنا سب مال روپیہ پیسہ بٹور (۱) لائے، اور حضور ﷺ کی خدمت میں جمع کر دیا۔ حق تعالیٰ کی رحمت دیکھئے فوراً آیت نازل فرمائی۔ خذ من اموالھم صدقۃ تطھرھم و تزکیھم بھا یعنی ان کے مالوں میں سے تھوڑا سا صدقہ لے لیجئے کہ اس سے آپ ان کو پاک کریں اور ان کو صاف کریں بھا اس آیت میں علی سبیل التنازع (۲) تطھر اور تزکی دونوں کے متعلق ہے۔ یہاں پر ایک سوال ہوتا ہے کہ تطہیر اور تزکیہ تو ایک شے ہے اگر صرف تطھر پر ہی اکتفا فرماتے تو کافی تھا تزکی میں کیا نکتہ ہے۔ نکتہ اس میں یہ ہیکہ دو چیزیں ہیں ایک تو آگ دوسرے آگ کا اثر، یا یوں کہو کہ دیا سلائی اور ایک اس سے آگ نکلنا یعنی ایک تو معصیت (۳) ہے جو آگ ہے اس کا ازالہ تو تطہیر (۴) ہے اور دوسرے معصیت کا مادہ ہے اور اس کا ازالہ تزکیہ (۵) ہے تو مطلب یہ ہے کہ صدقہ قبول کرنے سے ان کے گناہ بھی پاک کیجئے اور گناہوں کا مادہ بھی دور

---

(۱) سب پیسہ اکٹھا کر لائے (۲) یعنی اس صدقہ کے سبب نہ صرف یہ کہ گناہوں سے پاک ہو جائیں گے بلکہ گناہوں کا مادہ بھی دور ہو جائیگا (۳) گناہ ہے (۴) گناہ جب آگ کے مثل ہوا تو وہ تطہیر یعنی پاک کرنے سے بجھ جائے گی (۵) گناہ کے مادہ کو دور کرنا بذریعہ تزکیہ کے ہوگا۔

کیجئے۔ آگے ارشاد ہے وصل علیھم اوران کے لئے دعا بھی کیجئے۔

کارِ خیر میں چندہ دہندگان کے شکریہ کا عمدہ طریقہ

یہاں سے ایک بات کام کی معلوم ہوئی۔ وہ یہ کہ آجکل جو یہ رواج ہے کہ اگر کوئی شخص کسی مصرف خیر میں کچھ روپیہ دیتا ہے تو کھڑے ہوکر اس کا شکریہ ادا کرتے ہیں یہ بالکل بے موقع ہے ہم کو ایسے موقع میں اس کیلئے دعا سکھلائی گئی ہے چنانچہ ارشاد فرمایا وصل علیھم اس لئے کہ شکریہ وہ ادا کرے جس کے ساتھ احسان کیا ہو وہ شخص ہم کو نہیں دیتا ہے اسلام کی خدمت کرتا ہے اور اسلام کیساتھ اس کو اور ہم کو برابر تعلق ہے۔

اس کی تو مثال ایسی ہے کہ ایک باپ کے چند بیٹے ہوں اور ایک بیٹا باپ کی کچھ خدمت کرے تو اور بیٹے اس کا شکریہ ادا نہ کریں گے اس لئے کہ جیسا ہمارا باپ ہے ایسے ہی اس کا بھی ہے۔ ہم پر اس نے کیا احسان کیا ہے۔ جو شکریہ ادا کریں۔ پس شکریہ ایسے موقع پر بالکل بے محل ہے۔ شکریہ تو جب ادا کیا جاوے گا جبکہ ان کو کوئی کچھ دے۔ شکریہ ادا کرنے سے تو یہ معلوم ہوتا ہے کہ یہ خود کھا جائیں گے یا یہ شخص یہ سمجھتا ہے کہ اسلام میرا ہے۔ دوسرا مسلمان نہیں ہے۔ یہ اہل یورپ کی تقلید ہے کہ وہ اپنے جلسوں میں شکریہ ادا کرتے ہیں۔ تو ان کی دیکھا دیکھی یہ بھی ایسا ہی کرنے لگے۔ اور اس پر کیا منحصر ہے اب تو ہر کام انہیں کے طریقہ پر کرنا چاہتے ہیں۔

چنانچہ کسی کی تقریر میں جب کوئی مضمون پسند آجاتا ہے تو اس پر تالیاں بجاتے ہیں۔ حالانکہ تالیاں تو اہانت (۱) کے موقع پر بجائی جاتی ہیں۔ یہ اچھی تہذیب

(۱) تذلیل کے موقع پر بجائی جاتی ہیں جیسے پاگلوں کے پیچھے بچے تالیاں بجاتے پھرتے ہیں۔

ہے تہذیب کیا تعذیب(١) ہے۔ ہماری تہذیب اس موقع پر یہ ہے کہ سبحان اللہ کہیں بلکہ سب سے بڑھ کر تہذیب تو یہ ہے کہ کچھ بھی نہ کہیں اس لئے کہ خاموش رہنے میں جو سماں پسندیدگی کا چہروں اور قلب سے اور جوش بیان سے معلوم ہوتا ہے اظہار میں وہ لطف نہیں ہوتا ہے خصوص جبکہ وہ اظہار بھی تصنع(٢) سے ہو۔ جیسا اب ہوتا ہے کہ زبان سے تو اظہار خوشی کا ہو رہا ہے لیکن دل میں کچھ بھی نہیں تو اس اظہار کا کیا اعتبار۔ بڑی چیز تو دل سے رغبت اور قدر کرنا ہے خواہ زبان سے کچھ بھی نہ کہے۔ دیکھئے جب بچہ پستان سے منہ لگا دیتا ہے تو دودھ اترتا ہی ہے خواہ زبان سے کچھ بھی نہ کہے۔ اسی طرح متکلم کی بشاشت کیلئے بس رغبت سامعین(٣) کی کافی ہے۔ زبانی مدح(٤) کی ضرورت نہیں خصوصاً جب غیر مسلم کے طریق پر ہو۔ جیسا شکریہ کا ایک طریق شائع(٥) ہو رہا ہے جو محض تقلید ہے یورپ کی۔ ہاں سنت ایسے مواقع میں یہ ہے کہ دعا دی جاوے۔ آگے ارشاد ہے ان صلاتك سكن لهم یعنی بیشک آپ کی دعا ان کیلئے اطمینان کا باعث ہے۔ مکرر متنبہ کرتا ہوں کہ اس سے جیسا پہلے بھی عرض کر چکا ہوں صحابہ رضی اللہ عنہم کا مذاق معلوم ہو گیا کہ ان کو اگر اعمال صالحہ کی توفیق ہوتی تھی تو وہ خرچ کرتے تھے۔ ہم لوگوں کی یہ حالت ہے کہ اگر کسی نیک عمل کی توفیق ہوتی ہے تو اللہ تعالیٰ سے بھی اور مخلوق سے بھی برعکس اس کی امید رکھتے ہیں کہ ہم کو کچھ ملے۔

ایک بزرگ تھے وہ بازار میں کسی شے کے خریدنے کو گئے۔ قیمت پوچھی اس نے کہا کہ قیمت تو اس قدر ہے لیکن آپ چونکہ بزرگ ہیں اس لئے آپ کو اس قدر کم

---

(١) باعث تکلیف ہے (٢) بناوٹ سے ہو (٣) متکلم کی خوشی کیلئے تو سننے والوں کی دلچسپی ہی کافی ہوتی ہے (٤) زبانی تعریف کی ضرورت نہیں (٥) شکریہ کا جو طریقہ عام ہو رہا ہے۔

میں ملے گی۔ سن کر بہت روئے کہ بس جی میری بزرگی کی قیمت ایک ٹکہ ہے۔ اور فرمایا کہ میں دین فروش نہیں کیا بزرگی اس لئے اختیار کی ہے کہ دنیوی نفع ہو۔

کار خیر میں غیر مسلموں سے امداد کی ممانعت

انبیاء علیہم السلام کی شان تو یہ تھی کہ وہ یوں کہتے تھے۔

لااسئلکم علیہ اجرا لا اسئلکم علیہ مالا(۱)

وہ حضرات نہ اپنی ذات کیلئے کچھ طلب کرتے تھے نہ اور کسی کے لئے حضورﷺ نے اگر کبھی چندہ کی ترغیب بھی دی ہے تو خاص اپنے مخلصین کے مجمع میں دی ہے۔ اور غیروں سے کبھی آپؐ نے امداد نہیں لی۔ اور خود تو کیا درخواست فرماتے اگر دوسرے نے خود بھی چاہا تو آپ نے گوارا نہیں کیا۔ چنانچہ ایک غزوہ میں ایک مشرک نے چاہا تھا کہ میں بھی شریک ہوں اور وہ بڑا پہلوان تھا۔ حضورﷺ نے فرمایا لن نستعین بمشرک کہ ہم مشرک سے ہرگز مدد نہیں چاہتے۔ حالانکہ وہ ہر طرح سے خادم اور تابع ہو کر شریک ہونا چاہتا تھا۔ اس سے قیاس کیجئے کہ اگر کہیں اس کی شرکت یا اس کے ساتھ شرکت بطور متبوعیت یا مساوات (۲) ہو اور خصوص جبکہ وہ شرکت اس کے مذہبی عمل میں ہو تو کس قدر قبیح (۳) ہوگا۔

غیر مسلموں کے ساتھ برتاؤ کا طریقہ

جیسا کہ آجکل ایک بیہودہ رسم نکلی ہے کہ مسلمان کفار کے میلوں ٹھیلوں میں

---

(۱) میں تم سے اجر کا طالب نہیں میں تم سے مال کا طالب نہیں، سورۃ ہود آیت ۲۹ (۲) کہیں شرکت اس انداز میں ہو کہ مشرک متبوع اور ہم تابع یا مساوات کے انداز میں (۳) خاص طور پر جبکہ وہ شرکت اس کے مذہبی عمل میں ہو تو بہت ہی بری ہے۔

شریک ہوتے ہیں اور انکو اپنی عید بقرعید کے موقع پر شریک کرتے ہیں یہ تو وہی قصہ ہے جیسا کہ اہل شرک نے حضور ﷺ سے کہا تھا کہ اے محمد ﷺ ہم اور آپ صلح کرلیں ایک سال آپ ہمارے دین کو اختیار کرلیں اور دوسرے سال ہم آپ کے دین کو اختیار کرلیں گے۔ اسی وقت یہ آیتیں نازل ہوئیں۔

قل یا ایھا الکافرون ☆ لا اعبد ما تعبدون ☆ ولا انتم عابدون ما اعبد ☆ ولا انا عابد ما عبدتم ☆ ولا انتم عابدون ما اعبد ☆ لکم دینکم ولی دین ☆(۱)

یعنی آپ فرما دیجئے کہ اے کافرو! میں اس شے (۲) کی عبادت نہ کروں گا جس کی تم عبادت کرتے ہو اور نہ تم عبادت کروگے اس شے کی جس کی میں عبادت کرتا ہوں اور نہ میں عبادت کرنے والا ہوں اس شے کی جس کی تم نے عبادت کی ہے۔ اور نہ تم عبادت کرنے والے ہو اس شے کی جس کی میں عبادت کرتا ہوں تمہارے لیے تمہارا دین ہے۔ میرے لئے میرا دین ہے۔ یعنی نہ میں تمہارا دین اختیار کروں گا اور نہ تم میرا دین قبول کروگے یہ بطور اخبار فرمایا لکم دینکم کہ اس تقریر پر منسوخ کہنے کی بھی ضرورت نہیں ہے۔ پس کفار سے تو بالکل علیحدہ ہی رہنا چاہئے۔ ہاں چونکہ ایک جگہ رہتے ہیں اس لئے یہ ضروری ہے کہ آپس میں لڑیں نہیں باقی ان کے مذہبی مجامع یا رسوم (۳) میں شریک ہونا بالکل بند کرنا چاہئے۔

ایک ہیڈ کلرک ہندو، بھائی اصغر علی صاحب سے ملتے تھے انھوں نے ہولی میں بھائی پر رنگ ڈالنا چاہا۔ بھائی نے کہا ذرا ٹھہرو تم یہ کیا کرتے ہو۔ اس نے کہا ہم تم

(۱) پارہ عم سورۃ الکافرون (۲) چیز کی (۳) مذہبی اجتماعات اور رسموں میں شریک نہ ہوں۔

دونوں دوست ہیں دوستوں میں یہ ہوا ہی کرتا ہے۔ بھائی نے کہا اچھا ڈالیے مگر یاد رکھئے کہ ہمارے یہاں ابھی بقرعید ہوگی میں گائے کا گوشت منہ میں دوں گا اس وقت برا نہ منایئے گا۔ وہ اپنا سا منہ لے کر رہ گیا۔

تو صاحبو! ان کی ہولی، دیوالی میں شریک ہونا بڑی بے غیرتی کی بات ہے بس اتنا کافی ہے کہ لڑو بھڑو نہیں اور مذہبی گفتگو بھی ان سے کرنا مناسب نہیں ہاں البتہ اگر ان کی تقریر سے مسلمانوں کو اشتباہ(۱) میں پڑنے کا خوف ہو تو ان مسلمانوں کے قلب سے ان شبہات کو دفع کر دو باقی ان سے کوئی گفتگو نہ کرو۔ ہاں اگر شادی بیاہ میں وہ تمہارے یہاں کچھ بھیج دیں اور تم ان کے یہاں بھیج دو تو مضائقہ نہیں ہے۔ باقی مذہبی مجامع یا مذہبی کام میں نہ وہ تمہارے شریک ہوں اور نہ تم ان کے یہاں۔

ایک مندر بن رہا تھا اس میں ایک شخص نے دس روپے چندہ اس لئے دیا کہ پھر ہندوؤں سے یونیورسٹی میں بہت سا لیں گے۔ اور اپنی اس تدبیر پر بہت خوش تھے۔ اور یہ نہ سمجھے کہ دس روپیہ خرچ کر کے جہنم مول لی(۲)۔ مذہب کے بارے میں بڑی حمیت اور غیرت ہونی چاہئے۔

اور اس وقت مسلمانوں کو خوب ثابت ہو گیا ہے کہ ہم پر جو کچھ آفت آئی ہے اور جس قدر تنزل(۳) ہے تو مذہب کے چھوڑنے سے ہے۔ پہلے سے علماء پر اعتراض کیا کرتے تھے کہ علماء ضرورت زمانہ سے واقف نہیں ہیں اسلئے مذہب پر قائم ہونے کی تاکید کرتے ہیں لیکن اب ان کو بھی روشن ہو گیا کہ ترقی کا مدار مذہب کو مضبوط پکڑنے میں ہے۔ یہ کلام استطراداً(۴) یاد آ گیا تھا۔ اوپر سے یہ مضمون چلا آتا تھا کہ

(۱) شبہ میں پڑنے کا ڈر ہو تو مسلمانوں کے دل سے ان شبہات کو دور کرے (۲) دوزخ خرید لی (۳) پستی (۴) ضمناً یاد آ گیا

حضرات صحابہ وحضرات انبیاء علیہم السلام کا طریقہ یہ تھا کہ دین کے عوض دنیا کبھی نہیں چاہی اور یہ تو بہت بھاری بات ہے ان حضرات نے اپنے دین اور بزرگی سے دنیوی معاملات میں اتنا بھی متمتع (۱) ہونا نہیں چاہا کہ اپنی بزرگی کے اثر سے کسی پر کسی قسم کا ذرا دباؤ بھی ڈالیں۔

حضرت خزیمہؓ کی گواہی دو آدمیوں کے برابر ہے

چنانچہ حضور ﷺ نے ایک بار ایک اعرابی سے گھوڑا خریدا تھا۔ کوئی ناواقف اس کو کچھ زیادہ دام دینے لگا تو بعد خریدنے کے وہ اعرابی کہتا ہے کہ یارسول اللہ ﷺ اگر خریدنا ہو تو خریدیے ورنہ میں بیچتا ہوں۔ آپؐ نے فرمایا کہ میں نے تو خرید لیا اعرابی نے کہا گواہ لائیے اور معاملہ کے وقت اتفاق سے کوئی موجود نہ تھا۔ آپ نے فرمایامن یشھد لی۔ حضرت خزیمہؓ نے گواہی دی کہ یارسول اللہ ﷺ میں گواہی دیتا ہوں کہ آپ نے گھوڑا خریدا ہے حضور ﷺ نے فرمایا کہ تم کیسے تصدیق کرتے ہو۔ حضرت خزیمہؓ نے فرمایا کہ آسمانی خبروں میں جبکہ ہم آپکی تصدیق کرتے ہیں تو کیا اس میں نہ کریں گے۔

حضور ﷺ نے اسی وقت آئندہ کیلئے قانون مقرر فرمایا کہ خزیمہ کی گواہی دو شخصوں کے برابر ہوگی۔ خیر ان کو یہ شرف ان کی قوت ایمانی کی برکت سے حاصل ہوا لیکن اس اعرابی پر آپ اس اختلاف پر ناخوش نہیں ہوئے۔ آجکل کسی شاہ صاحب یا کسی مولوی صاحب سے تو یہ معاملہ کر کے دیکھو فوراً کہیں گے کہ ہمارا اعتبار نہیں جو ہمارے ساتھ ایسی باتیں کرتے ہو۔ اور حضور ﷺ کے قانون کے موافق برتاؤ کرنے

(۱) فائدہ اٹھانا۔

میں تو کیوں برا مانتے حضور ﷺ کیساتھ تو اگر کسی نے خلاف قاعدہ اور کج خلقی کا بھی برتاؤ کیا ہے تو اس سے بھی چیں بجبیں نہیں ہوئے۔

حضور ﷺ کا حلم

ایک مرتبہ چند بدویوں نے آپؐ کو آگھیرا کہ کچھ دلوائیے۔ آپؐ نے فرمایا کہ اس وقت میرے پاس کچھ نہیں ہے۔ ہوگا تو دینے سے انکار نہیں۔ بدویوں نے چادر مبارک پکڑ کر گھسیٹا جس سے کئی کے نشان گردن مبارک پر پڑ گئے۔ اور آپؐ فرماتے ہیں ردوا علی ردائی یعنی میری چادر تو دے دو۔ نہیں معلوم آجکل کیسی بزرگی بزرگوں میں آگئی ہے کہ اگر کسی سے اپنے نفس کے خلاف کوئی بات سنتے ہیں تو قابو سے باہر ہو جاتے ہیں اور ایسی تعلیمیں دی جاتی ہیں کہ جس سے کبر بڑھے۔ یاد رکھو کہ یہ سب سنت کے خلاف ہے۔ بزرگی اس لئے نہیں کہ اس سے کچھ دنیوی نفع ہو۔

حکایت

جناب مولوی احمد علی صاحب محدث سہارنپوری رحمۃ اللہ علیہ بازار میں جوتا خریدنے کیلئے تشریف لے گئے ایک دوکاندار نے کہا کہ میں آپ سے نفع نہیں لوں گا۔ ساتھیوں سے فرمایا کہ چلو بھائی آگے اسکے یہاں سے ہم نہیں لیں گے۔ اسلئے کہ دو حال سے خالی نہیں، یا تو یہ سچ بولتا ہے یا جھوٹ۔ اگر سچ بولتا ہے تو ہم اپنے بھائی کیلئے یہ نہیں چاہتے کہ وہ بازار میں چار پیسہ کے لئے بیٹھے اور اس کو وہ بھی نہ ملیں اور اگر جھوٹا ہے تو ہم کو الو بنا کر لینا چاہتا ہے۔ آجکل اس کے برعکس معاملہ ہے اگر دوست سے کوئی شے خریدیں گے تو کہیں گے کہ بندۂ خدا ہم سے بھی نفع لیتے ہو۔ آجکل بس اس

پرعمل ہے خانۂ دوستاں بروب (۱) کہتے ہیں کہ دوستوں کی قسمیں مختلف ہوتی ہیں جانی ونانی۔ نانی وہ ہیں کہ بس نان پیارا ہے۔ ہزاروں روپیہ کے تاجروں کا مال اسی دوستی کی بدولت دبا پڑا ہے لے کر دینا جانتے ہی نہیں اسی لئے بزرگوں نے فرمایا کہ دوست کو کبھی قرض نہ دو۔ اور نہ قرض اس سے لے چنانچہ کسی نے کہا ہے۔

مدہ شاں قرض مستاں نیم حبہ   فان القرض مقراض المحبہ

(مستوں کو آدھی پائی بھی قرض نہ دے کیونکہ قرض بیشک محبت کی قینچی ہے)

یعنی ان کو قرض دے نہ لے کیونکہ قرض محبت کے لئے مقراض (۲) ہو جاتی ہے اور قرض سے محبت منقطع ہو جاتی ہے۔

اعمال کے اعتبار سے انسانوں کی اقسام

الحاصل میں اس کو بیان کر رہا تھا کہ نیکی کر کے چاہتے ہیں کہ کوئی دنیوی نفع ہو درمیان میں تناسب سے اور مضامین آ گئے تھے۔ اب میں مقصود عرض کرتا ہوں وہ یہ ہے کہ یہ آیت جو میں نے تلاوت کی ہے اس آیت کی رو سے جو ہم لوگ اپنی حالت میں غور کرتے ہیں تو ہم کو استقراء سے عام مسلمانوں میں تین قسمیں نظر آتی ہیں۔ ایک وہ کہ جن کے سیئات غالب ہیں کہ رات دن فسق و فجور، کبائر، صغائر (۳) میں مبتلا رہتے ہیں بھول کر بھی کبھی نماز نہیں پڑھتے۔

جیسے ایک شخص مولوی شیخ محمد صاحب کے پاس چاند کی گواہی دینے آیا۔ مولوی صاحب نے اس سے پوچھا کہ نماز بھی پڑھتے ہو کہنے لگا کہ مولوی جی ایک دفعہ یہ سن کر کہ بے نمازی کی جنازہ کی نماز نہیں ہوتی پڑھ لی تھی پر اب تو ہماری توبہ ہے۔

(۱)   (۲) قرض محبت کی قینچی ہے (۳) گناہوں کے چھوٹے بڑے کاموں میں گھرے رہتے ہیں۔

ایک مرتبہ ایک مولوی دہلوی سا ڈھورہ گئے۔ ایک شخص کو نماز کی تاکید کی اس نے نیت نماز کی اس طرح باندھی۔ نیت کرتا ہوں نماز کی واسطے اللہ تعالیٰ کے ظلم اس مولوی صاحب کا اللہ اکبر۔ سو ایک قسم کے تو ایسے لوگ ہوئے اور دوسرے وہ ہیں جن پر حسنات غالب ہیں اور سیئات مغلوب (۱) ہیں۔ نماز پڑھتے ہیں روزہ رکھتے ہیں غرض عقائد معاملات اخلاق عادات سب ان کے موافق شریعت کے ہیں لیکن بمقتضائے بشریت (۲) کبھی کبھی ان سے کوئی گناہ بھی ہو جاتا ہے۔ تیسرے وہ لوگ ہیں کہ وہ خلط (۳) کرتے ہیں۔ یعنی ان کے حسنات اور سیئات دونوں برابر ہیں۔ نماز بھی پڑھ لیتے ہیں، روزہ بھی رکھتے ہیں، مقدور ہو تو حج زکوۃ بھی کرتے ہیں اور گناہ بھی ہو جاتے ہیں۔ یہ معلوم کرنا کہ غلبہ کس شے کو ہے حسنات کو یا سیئات کو اس کا اندازہ مشکل (۴) ہے۔

بعض لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ ہم میں اعمال صالحہ غالب ہیں حالانکہ یہ گمان ان کا غلط ہے اور منشاء اسکا یہ ہوتا ہے کہ ان کو گناہوں کی فہرست معلوم نہیں یا یہ کہ بعض اعمال کو وہ گناہ ہی نہیں سمجھتے۔ بعض ایسی خرابیاں ہیں کہ ہم کو ان کا پتہ بھی نہیں اور اس سے بڑھ کر یہ ہے کہ سمجھتے بھی ہیں کہ ہم میں فلاں باتیں گناہ کی ہیں لیکن باوجود اس کے محض اس وجہ سے کہ لوگ ہم کو مقدس (۵) سمجھتے ہیں ہم کو بھی اپنی نسبت تقدس (۶) کا گمان ہوتا ہے۔

---

(۱) نیکیاں زیادہ اور برائیاں کم ہیں (۲) انسان ہونے کے ناطے کبھی کبھی گناہ بھی ہو جاتے ہیں (۳) ملے جلے اعمال کرتے ہیں (۴) یہ معلوم کرنا کہ نیکیاں زیادہ ہیں یا برائیاں مشکل ہے (۵) بزرگ (۶) بزرگی کا گمان۔

ایک تمثیل

ہماری مثال بالکل ایسی ہے کہ کوئی شخص باہر پردیس میں تھے ان کے گھر سے ایک نائی آیا اور اس نے یہ خبر دی کہ آپ کی بیوی بیوہ ہوگئی ہے۔ سنتے ہی رونے پیٹنے لگے۔ یاروں دوستوں نے سمجھا کہ ان کے گھر کوئی موت ہوگئی ہے۔ یہ سمجھ کر تعزیت کرنے کیلئے جمع ہوگئے اور پوچھنے لگے کہ کیا ہوا فرمایئے تو سہی۔ کہنے لگے کہ گھر سے خبر آئی ہے کہ ہماری بیوی بیوہ ہوگئی ہے۔ لوگوں نے کہا کہ آپ بھی بڑے بیوقوف ہیں آپ تو خود زندہ بیٹھے ہیں پھر بیوی کے بیوہ ہونے کے کیا معنیٰ کہنے لگے کہ یہ صحیح ہے لیکن نائی معتبر ہے۔

گو کہ میں جانتا ہوں اے بھائی　　لیک آیا ہے معتبر نائی

پس صاحبو! یہی حالت ہماری بھی ہے کہ باوجود اس کے کہ اپنی حالت سے خوب واقف ہیں کہ ہمارے اندر یہ خرابیاں ہیں، لیکن چار آدمیوں کے کہنے سے دھوکے میں آگئے۔ پھر جب تقدس مشہور ہوجاتا ہے تو بعض اوقات اپنے افعال کو تقدس کے خلاف سمجھ کر بھی لوگوں کے سامنے بننے لگتے ہیں حافظ شیرازی رحمۃ اللہ علیہ اسی کو کہتے ہیں۔

واعظاں کیں جلوہ بر محراب و منبر میکنند
چوں بخلوت میروند آں کار دیگر میکنند

(واعظ جو کہ محراب و منبر پر جلوہ افروز ہوتے ہیں جب تنہائی میں جاتے ہیں تو دوسرے کام کرتے ہیں)

بعض واعظوں نے اس کے معنی یہ گھڑے ہیں کہ ظاہر میں خشک واعظ ہیں مگر جب خلوت میں جاتے ہیں تو ذکر و شغل کرتے ہیں۔ ایک تو شرارت کریں پھر اس کیساتھ نصیحت میں تاویلیں کریں۔ اچھا پھر اس آئندہ شعر کے کیا معنی ہوں گے۔

مشکلے دارم ز دانشمند مجلس باز پرس

توبہ فرمایاں چرا خود توبہ کمتر میکنند (۱)

الحاصل تین قسمیں تو یہ ہیں اب دو قسمیں باقی رہیں ایک وہ کہ سیئات ہی ہوں حسنہ بالکل (۲) نہ ہوں۔ دوسرے وہ کہ حسنات ہی ہوں سیئہ بالکل (۳) نہ ہوں، یہ کل پانچ قسمیں ہوئیں لیکن اخیر کی دو قسمیں عام مسلمانوں میں منفی ہیں اس لئے کہ محض اعمال صالحہ ہی کا ہونا اور سیئہ بالکل نہ ہونا یہ تو شان انبیاء علیہم السلام کی ہے کہ گناہ سے وہ بچائے گئے ہیں۔

انبیاء سے صدور گناہ ممکن نہیں

اگر کوئی کہے کہ انبیاء سے بھی لغزشیں ہوئی ہیں اور اللہ تعالیٰ نے ان کو معصیت فرمایا ہے چنانچہ ارشاد ہے وعصیٰ ادم ربہ (۴) جواب یہ ہے کہ ان سے ان کی شان کے موافق لغزش ہوتی ہے۔ لیکن اس کو معصیت کہنے کا کسی کا منہ نہیں (۵) ہے۔ حق تعالیٰ اگر اس کو اس لئے معصیت (۶) فرمادیں کہ وہ صورت معصیت (۷) کی ہے تو ان کو زیبا ہے۔ اور تفصیل اس اجمال کی یہ ہے کہ معصیت کی ایک تو حقیقت ہے

---

(۱) میں اس مشکل میں ہوں کہ عقل مندان مجلس سے پوچھوں کہ آپ توبہ کی نصیحت کرتے ہیں خود کیوں توبہ نہیں کرتے (۲) برائیاں ہی ہوں نیکیاں بالکل نہ ہوں (۳) نیکیاں ہی ہوں برائی بالکل نہ ہو (۴) اور حکم ٹالا آدم نے اپنے رب کا پھر راہ سے بہکا سورۃ طٰہٰ آیت ۱۲۱ (۵) اس کو گناہ کہنا کسی کو زیبا نہیں (۶) گناہ (۷) گناہ کی صورت۔

اور ایک صورت ہے۔ حقیقت معصیت یہ ہے کہ واقع میں بھی وہ امر شر ہو اور ارتکاب بھی اسکا قصداً و اختیاراً(۱) کرے۔ اور صورت معصیت یہ ہے کہ قصد تو خیر کا تھا اور وہ فعل باعتبار خاص اجتہاد کے شر بھی نہیں تھا۔ لیکن وہ چونکہ کسی خاص وجہ سے نامناسب(۲) تھا اس لئے اس کو صورت معصیت(۳) کہہ دیا جاوے پس حقیقت معصیت کا صدور انبیاء سے بوجہ عصمت متعذر(۴) ہے۔

دلائل عصمت

اور دلیل عصمت کی یہ ہے کہ جب ابراہیم علیہ السلام سے وعدہ ہوا کہ آپ کو لوگوں کا مقتداء بناؤں گا تو ابراہیم علیہ السلام نے دعا فرمائی کہ اے اللہ! میری اولاد سے بھی ایسے لوگ پیدا فرمایئے(۵)، حکم ہوا لا ینال عھدی الظلمین یعنی میرا عہد ظالموں کو نہ ملے گا۔ یہاں امامت سے مراد نبوت ہے، جس پر دو قرینے ہیں۔ ایک تو ان کو اس وعدہ کے ایفاء میں نبوت کا عطا ہونا دوسرے جعل کی اسناد خاص اپنی طرف کرنا، اور نبوت ہی ایسی چیز ہے جس کا جاعل خاص حق تعالیٰ(۶) ہے، بخلاف دوسرے معنی امامت کے۔ یعنی خلافت و سلطنت کہ اس کے جاعل عامۂ ناس ہیں کہ اس کے اتفاق سے اس کا وجود ہوتا ہے۔ پس "عہد"(۷) سے بھی مراد یہی ہوگا اور اس کا عدم اجتماع ظلم کیساتھ معلوم ہوتا ہے۔ جو عام ہے معاصی کو(۸)۔ پس معلوم ہوا کہ نبوت و

(۱) گناہ کی حقیقت یہ ہے کہ حقیقۃً بھی وہ کام برا ہو اور اسکو کرے بھی جان بوجھ کر (۲) اور صورت گناہ یہ ہے کہ ارادہ تو خیر کا تھا اور وہ فعل خاص اجتہاد کی وجہ سے گناہ بھی نہیں تھا لیکن کسی خاص وجہ سے نہ کرنا چاہیے تھا (۳) صورۃً گناہ کہا (۴) حقیقۃً گناہ کا صادر ہونا انبیاء سے ناممکن ہے (۵) کہا ومن ذریتی (۶) چنانچہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا انی جاعلک للناس اماما۔ یعنی میں تم کو لوگوں کا امام بناؤں گا اور یہاں امام بنانے سے مراد نبوت ہے خلافت یا امامت نہیں اس لئے کہ امیر مملکت تو لوگ بھی اپنے انتخاب سے بنا دیتے ہیں (۷) لا ینال عھدی الظلمین میں بھی عہد سے مراد نبوت ہے کہ کسی ظالم یعنی گناہگار کو نبی نہیں بناؤں گا (۸) پس نبوت ظلم کے ساتھ جمع نہیں ہو سکتی معلوم ہوا کہ نبوت گناہوں کے ارتکاب کے ساتھ جمع نہیں ہو سکتی۔

معصیت جمع نہیں ہوتی۔ یہ تو عصمت کی نقلی دلیل ہے۔

عقلی دلیل

اور عقلی دلیل یہ ہے کہ حاکم اپنا نائب اس شخص کو بناتا ہے جو بڑا لائق ہو خود بھی قوانین کے خلاف نہ کرے اور دوسروں کو بھی اطاعت کی ہدایت کرے۔ اسی طرح اللہ تعالیٰ بھی منصب رسالت ایسے ہی شخص کو عنایت فرماتے ہیں کہ جو علمی وعملی قوت رکھتا ہو۔ اور جو خود ہی قوانین پر عمل نہ کرتا ہو اس سے دوسروں کو کیا ہدایت ہوگی۔ پس انبیاء علیہم السلام سے ہمیشہ حسنات ہی صادر ہوں گے سیئہ بالکل نہ (۱) ہوگا۔ چونکہ نبوت ختم ہو چکی ہے اس لئے یہ قسم اب منفی (۲) ہے۔

دوسری قسم وہ ہے کہ صرف سیئات ہی ہوں حسنہ بالکل نہ (۳) ہوں سو اس قسم کا وجود مسلمانوں میں تو ممکن نہیں ہے۔ اس لئے کہ مسلمان کتنا ہی بدعمل ہو لیکن حسنہ سے خالی نہیں۔ کم از کم توحید و رسالت کا اقرار ہی اس میں پایا جاتا ہے ہاں یہ قسم کفار میں متحقق ہو سکتی ہے۔ اسلئے کہ ان میں شرعاً حسنہ کا وجود ہی نہیں اور بظاہر اگر اس سے کوئی عمل صالح صادر بھی ہو جیسے صدقہ خیرات وغیرہ تو چونکہ وہ بغیر ایمان معتبر نہیں اسلئے یہ قسم کفار میں تو واقع ہے مگر یہاں منفی ہے۔ اسلئے کہ اس تقسیم کا مقسم مومن ہے۔ پس تین ہی قسمیں باقی رہ گئیں (۴)۔ غالب الحسنات، غالب السیئات۔ خالطین (۵)۔ جن پر حسنات غالب ہیں یا وہ جن پر سیئات غالب ہیں۔

---

(۱) انبیاء سے ہمیشہ نیکیوں ہی کا صدور ہوگا گناہ نہیں ہوگا (۲) ختم نبوت کی وجہ سے یہ قسم اب نہیں ہے (۳) دوسری قسم کہ صرف برائیاں ہوں نیکی بالکل نہ ہو (۴) یہ تقسیم چونکہ مسلمانوں کے اعتبار سے ہے اسلئے تین ہی قسمیں ہیں (۵) نیکیاں غالب، گناہ غالب، ملے جلے۔

خالطین اعمال کے وساوس

مجھ کو اس وقت ان کا ذکر کرنا منظور نہیں ہے۔ خالطین یعنی جو حسنات اور سیئات میں خلط کرتے ہیں ان کا ذکر منظور ہے، اور دین داروں میں بیشتر ایسے ہی لوگ پائے جاتے ہیں اور ان لوگوں میں بھی دو قسمیں ہیں۔ ایک تو وہ ہیں کہ سیئات کرتے ہیں اور اس کی ان کو کچھ پرواہ نہیں ہے اسی طرح نیک عمل بھی کرتے ہیں لیکن اس نیک عمل کی بھی ان کو کچھ وقعت اور عظمت نہیں ہے۔ غرض نیکی اور بدی دونوں میں ان کو قلت مبالاۃ (۱) ہے۔ ان لوگوں کی طرف بھی اس وقت میرا روئے سخن (۲) نہیں ہے۔

دوسرے قسم ان خالطین کی وہ ہے کہ سیئات کو برا سمجھتے (۳) ہیں اور اس سے ڈرتے بھی ہیں اور اس کی سعی (۴) بھی کرتے ہیں کہ کسی طرح یہ چھوٹ جاوے، روتے بھی ہیں، کڑھتے بھی ہیں اور افسوس و حسرت بھی ہے۔ لیکن گناہ چھوٹتے نہیں، اسلئے کہ ہمت ضعیف (۵) ہے، پھر اس سے یہ خرابی ہوتی ہے کہ اس کا نزلہ حسنات پر گرتا ہے۔ یا تو یہ وسوسہ ہوتا ہے کہ اے بے حیا جبکہ تجھ سے گناہ نہیں چھوٹتے تو اس ذکر و شغل سے کیا فائدہ ہے اور بزبان حال یہ کہتا ہے۔

سبحہ بر کف توبہ برلب دل پُر از ذوق گناہ معصیت را خندہ می آید بر استغفار ما

(ہاتھ میں تسبیح اور لب پر توبہ مگر دل شوق گناہ سے بھرا ہوا ہے ایسی توبہ پر گناہ کو بھی ہنسی آتی ہے)

---

(۱) زیادہ پرواہ نہیں (۲) وہ بھی اس وقت میرے مخاطب نہیں (۳) ان لوگوں کی ہے جو نیکی اور گناہ ملا کر کرتے ہیں لیکن گناہ کو برا سمجھتے ہیں (۴) کوشش (۵) کمزور ہے۔

یہ ذکر شغل تیرے کس کام آوے گا۔ نمازیں تیری برباد۔ قرآن مجید کی تلاوت اور نوافل اگر گھنٹہ دو گھنٹہ پڑھ لئے تو اس سے کیا ہوا۔ غرض ان خیالات کا ایسا ہجوم ہوتا ہے کہ یا تو وہ حسنات (۱) چھوڑ دیتا ہے یا ان حسنات کو ضعیف الاثر (۲) اور بیکار سمجھتا ہے زیادہ تر اس بلا میں صلحا مبتلا ہیں۔

دوسرا وسوسہ

اور ایک وسوسہ اور ہوتا ہے وہ یہ کہ جبکہ حسنات اور سیئات دونوں مجھ سے صادر ہوتے ہیں تو کیا وجہ ہے کہ حسنات (۳) کو غلبہ نہیں ہوتا اور سیئات (۴) کیوں نہیں چھوٹتے۔ پس مجھ کو اس وقت زیادہ مقصود اس مرض کے متعلق بیان کرنا ہے تو غور کرنا چاہئے کہ غلط کی کیا وجہ ہے اور ان لوگوں کے حسنات میں قوت کیوں نہیں۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں عسى الله ان يتوب عليهم (۵) کہ عنقریب اللہ تعالیٰ ان پر رحمت کے ساتھ رجوع فرماویں گے۔ اور وہ مورد رحمت ہوں گے۔ مگر ہم دیکھتے ہیں کہ ان لوگوں کی ساری عمر اسی میں گذر جاتی ہے اور اس راحت خاصہ کا ظہور نہیں ہوتا۔ اور نیز دوسرے مقام پر ارشاد ہے۔ ان الحسنات يذهبن السيئات (۶) یعنی بیشک حسنات سیئات کو دور کر دیتی ہیں۔ اس پر نظر کرنے سے بھی اس شبہ کو تقویت ہوتی ہے بلکہ اس آیت کے معنی اگر یہ مان لئے جاویں کہ ملکہ اور مادہ گناہ کا جاتا رہتا ہے تو شبہ اور زیادہ قوی ہوتا ہے اور ارشاد ہے ان الصلوة تنهى عن الفحشاء والمنكر (۷) اور حدیث شریف میں ہے ان رحمتي سبقت على غضبي (۸) ان آیات سے

---

(۱) نیکیوں (۲) ان نیکیوں کو کمزور اثر والا سمجھتا ہے (۳) نیکیاں (۴) برائیاں (۵) سورۃ توبہ آیت ۱۰۲ (۶) سورۃ ہود آیت ۱۱۴ (۷) بے شک نماز بے حیائی اور منکرات سے روکتی ہے سورۃ عنکبوت آیت ۴۵ (۸) میری رحمت میرے غضب پر سبقت لیے ہوئے ہے۔

اور اس حدیث کے عموم سے یہ شبہ بہت قوی ہوتا ہے کہ کیا وجہ ہے کہ حسنات کے ہوتے ہوئے سیئات کیوں رہتے ہیں۔ حسنات کا مقتضا (۱) تو یہ ہے کہ سب دور ہو جائیں چنانچہ صحابہؓ کے اندر یہ خلط (۲) نہیں تھا۔ پس ایسی تدبیر کون سی ہے جس سے یہ خلط کی حالت نہ رہے اور حسنات کو غلبہ ہو جائے۔

رحمت الٰہی متوجہ ہونے کی شرط

سو دلائل شرعیہ اور نیز اس آیت میں غور کرنے سے اس کا معالجہ سمجھ میں آتا ہے لوگ قرآن مجید کو تدبر سے نہیں دیکھتے حق تعالیٰ نے اس کی شکایت بھی فرمائی ہے چنانچہ ارشاد ہے افلا یتدبرون القران قرآن شریف ہی میں سب کچھ ہے جہاں امراض کا ذکر ہے وہاں ہی اسکا معالجہ بھی خود اسی آیت میں ہے۔ تفصیل اس اجمال کی یہ ہے کہ اس میں غور فرمایئے کہ عسى الله ان یتوب کا ترتب اللہ تعالیٰ نے کس شے پر کیا ہے (۳) وہ کیا شے ہے کہ جس پر رحمت کا وعدہ فرمایا ہے۔ جب تم اس پر عمل درآمد کرو گے یقیناً مورد رحمت ہوں گے۔ اور ہرگز تخلف (۴) نہ ہوگا۔ اور وہ ہی علاج ہے اور وہ یہ ہے کہ حق تعالیٰ نے ذنوب اور سیئات کے ساتھ تو اعترفوا فرمایا ہے اور عمل نیک کو صالحا کیساتھ مقید (۵) فرمایا ہے پس حاصل معالجہ کا یہ ہوا کہ ذنوب کیساتھ تو اعتراف ہونا چاہئے اور عمل کے اندر صلاحیت کی صفت ہونا ضروری ہے پس

(۱) نیکیوں کا تقاضہ تو یہ ہے کہ گناہ نہ رہیں (۲) صحابہ کے یہاں ایسا نہیں تھا کہ نیکیاں اور گناہ ساتھ ساتھ ہوں بلکہ اگر گناہ صادر ہوا توبہ کر کے فوراً معاف کرالیا (۳) وہ کونسا کام ہے جس کے کرنے پر اللہ کی رحمت متوجہ ہوگی (۴) جب تم وہ کام کرو گے تو رحمت متوجہ ہوگی ایسا نہیں ہوسکتا کہ رحمت متوجہ نہ ہو (۵) گناہوں اور برائیوں کے ساتھ تو اعتراف کا لفظ ذکر کیا ہے جس کا مطلب ہے کہ گناہ کے ارتکاب کے بعد توبہ کرتے ہوئے اعتراف بھی ہو۔ اور عمل کے ساتھ صالح کی قید لگائی۔

معالجہ دو جزو سے مرکب ہوا۔ عمل صالح اور اعتراف ذنوب، شاید کسی کو شبہ ہو کہ ہمارے اندر تو یہ دونوں صفتیں ہیں پھر بھی مرض نہیں جاتا۔ صاحبو! میں اسی واسطے کہتا ہوں کہ تدبر سے کام نہیں لیتے واقع میں ہمارے اندر دونوں جزو مفقود(۱) ہیں۔ اگر یہ دنوں جزو ہوتے تو کوئی وجہ نہیں کہ عسی اللہ ان یتوب علیھم(۲) کا ظہور نہ ہوتا۔ غور کیجئے کہ صالح عمل کی صفت ہے۔

اب دیکھنا چاہئے کہ صالح کس کو کہتے ہیں۔ صالح صلاح سے مشتق ہے اور صلاح کے معنی درستی کے ہیں۔ درست شے وہ ہے کہ اس کے کسی جزو میں کسر(۳) نہ ہو درست گاڑی وہ کہلائے گی جس کے پہیئے اور تمام پرزے درست ہوں۔ اگر ایک جزو کے اندر بھی خرابی ہے تو پھر درستی کے ساتھ موصوف نہیں(۴) ہوسکتی اس لئے کہ ناقص اور کامل کا مجموعہ ناقص ہی ہے۔ اگر کسی کو ذرا زکام یا سر میں درد ہو تو کہتے ہیں کہ آج طبیعت درست نہیں پس عمل کو صالح جب کہیں گے جب کہ وہ من کل الوجوہ(۵) درست ہو۔

عمل صالح کی وجہ سے گناہ مٹنے کی شرط

اب یہ سمجھنا چاہئے کہ عمل کس شے سے درست ہوتا ہے سو اس کے معنی بھی کلام اللہ ہی میں تلاش کرنا چاہئے۔ حق تعالیٰ نے اس کو دو لفظوں میں بیان فرمادیا ہے۔ اگر جنید و شبلی جیسے بھی جمع ہوکر برسوں فکر کرکے بیان کرتے تو ایسا جامع بیان نہ کرسکتے۔ ارشاد ہے مثل الذین ینفقون اموالھم ابتغاء مرضات اللہ و

---

(۱) ہمارے اندر یہ دونوں جزو نہیں ہیں (۲) عنقریب اللہ تم پر متوجہ ہوں گے (۳) کمی نہ ہو (۴) کوئی ایک چیز بھی خراب ہو تو اسکو صحیح نہیں کہہ سکتے (۵) ہر اعتبار سے صحیح ہو۔

تثبیتا من انفسھم کمثل جنۃ بربوۃ اصابھا وابل فاتت اکلھا ضعفین (۱) یعنی جو لوگ اپنے مالوں کو اللہ کی رضامندی اور اپنے نفسوں کے اندر استقلال پیدا کرنے کیلئے خرچ کرتے ہیں ان کا حال ایسا ہے جیسے کسی ٹیلہ پر ایک باغ ہو کہ اس پر بارش ہووے تو وہ اپنا پھل دو چند دے۔

ابتغاء مرضات اللہ اور تثبیتا من انفسھم یہ دونوں ینفقون کے مفعول لہ ہیں، اور من انفسھم بواسطہ من کے تثبیتا مصدر کا مفعول بہ ہے۔ حاصل یہ ہے کہ درستی عمل کے دو جزو ہیں جب وہ دونوں پائے جائیں تو صلاحیت کامل ہوگی اور وہ دو جزو ابتغاء مرضات اللہ اور تثبیتا من انفسھم ہیں۔ یعنی جو عمل کرے اس میں دو باتوں کی نیت ہونی چاہئے۔ ایک تو یہ کہ اللہ تعالیٰ خوش ہوں دوسرے یہ کہ نفس کے اندر اس عمل کا ملکہ ہو جائے کہ جس سے نفس کے اندر استقلال پیدا ہو جاتا ہے حق تعالیٰ کی خوشنودی تو مقصود اصلی ہے اور تثبیت اس کا ذریعہ ہے۔

اب ہم لوگ اپنا حال دیکھیں کہ نماز بھی پڑھتے ہیں، تلاوت قرآن بھی کرتے ہیں، روزہ بھی رکھتے ہیں، صدقہ خیرات بھی بقدر وسعت دیتے ہیں۔ لیکن ان اعمال میں ہماری نیت کچھ بھی نہیں ہوتی پس اعمال تو ہیں لیکن صلاحیت ان میں نہیں ہے۔ اسی واسطے عسی اللہ ان یتوب علیھم اس پر مرتب (۲) نہیں ہوتا۔ اور دوسرا جزو علاج کا اعترف ذنوب (۳) ہے اور اعتراف ذنوب سے مقصود منشاء اعتراف

(۱) سورۃ بقرۃ آیت ۲۶۵ (۲) یعنی اللہ تعالیٰ کا یہ وعدہ کہ عمل صالح کرو گے تو عنقریب اللہ کی رحمت متوجہ ہوگی اس لئے پورا نہیں ہوتا کہ عمل کے صالح ہونے کی شرط نہیں پائی جاتی شرط کے فوت ہونے سے مشروط فوت ہو جاتا ہے جیسے نماز کی شرط نہ پائی جائے تو باوجود نماز پڑھنے کے نماز نہیں ہوتی ثواب نہیں ملتا (۳) گناہ کے اعتراف سے مقصود اس اعتراف کا اصل سبب ہے جو کہ ندامت و شرمندگی ہے۔

ہے۔ وہ کیا ہے ندامت اور حسرت اور افسوس، اور اپنے کیے پر حزن ورنج، اور اپنے نفس سے ناخوشی کا پیدا ہونا۔ یہ لوگوں میں مفقود ہے زبانی اعتراف تو ہے کہ جس کو دفعۂ اعتراف کہہ سکتے ہیں لیکن مقصود یہاں صرف یہی نہیں ہے بلکہ مقصود ندامت ہے۔ جیسے ان صحابہ رضی اللہ عنہم نے کر کے دکھلا دیا کہ اپنے آپ کو ستون سے بندھوادیا چونکہ ندامت سے اعتراف ناخوشی ہوتا ہے اس لئے اس کو اعتراف سے تعبیر فرمایا ورنہ اصل میں مقصود ندامت ہے۔ لفظ اعترفنا(۱) مراد نہیں ہے۔ پس اس وقت خالطین میں یہ جزو بھی مفقود ہے یعنی فرد کامل ندامت کی نہیں۔ اس وجہ سے عمل صالح کا غلبہ جو اثر ہے یتوب علیھم کا نہیں ہوتا پس ندامت کو پیدا کرنا چاہئے۔

گناہ چھوڑنے کی ترکیب

جب گناہ ہو، نادم(۲) ہونا چاہئے، اور صدق دل سے توبہ کرلینی چاہئے میں یہ نہیں کہتا کہ گناہ ہونا محال(۳) ہو جاوے۔ ہاں یہ کہتا ہوں کہ علاج اس کا کرلیا کرو اور وہ علاج ندامت اور اعتراف ہے۔ جب کوئی گناہ ہوجایا کرے فوراً وضو کر کے دو رکعت پڑھ کر توبہ کرلیا کرو۔ اگر پھر وہی گناہ ہوجائے پھر یہی عمل کرو۔ انشاء اللہ چند روز میں وہ گناہ چھوٹ جائیگا میں تجربہ کر کے کہتا ہوں کہ اگر دو رکعت فی گناہ مقرر کرلو کہ جب گناہ ہوا کرے دو رکعت پڑھ کر توبہ کرلی انشاء اللہ بہت جلدی ہی وہ گناہ چھوٹ جائے گا۔ اگر گناہ کرنے کے وقت کوئی دوسرا کام سامنے ہو اور وقت فرصت کا نہ ہو تو وہ گناہ لکھ لیا کرو۔ جب کام سے فارغ ہوئے حساب کر کے فی گناہ دو رکعت کے حساب سے پڑھ لی۔ انشاء اللہ تعالیٰ ایک ہفتہ میں نفس وشیطان تم سے صلح کرلیں

(۱) صرف کہنا مقصود نہیں کہ ہمیں گناہ کا اعتراف ہے (۲) شرمندہ (۳) ناممکن

گے۔اور یہ بلقانی گروہ مطیع (۱) ہوجاوے گا۔اور واقع میں شیطان ہے بھی بلقانی، یعنی ابلق، بمعنی دو رنگا ہے کہ کبھی کسی رنگ میں بہکاتا ہے، کبھی کسی رنگ سے اس لئے بلقانی کہہ دیا۔سو نماز پڑھنا چونکہ نفس کو بہت بھاری ہے اور شیطان کو سخت ناگوار ہے اس لئے ایک ہی ہفتہ میں بلکہ ایک ہفتہ تو میں نے زائد کہہ دیا ہے انشاء اللہ تعالیٰ اس سے بھی کم عرصے میں کامیابی ہوجاوے گی۔شیطان کو نماز کے ناگوار ہونے پر مجھ کو ایک حکایت یاد آئی۔

نسیان کی وجوہات

ایک شخص امام ابو حنیفہؒ کی خدمت میں آیا کہ میں نے اپنے گھر میں کچھ مال دفن کیا تھا اب یاد نہیں رہا کہ کہاں دفن کیا تھا۔امام صاحب نے فرمایا کہ نماز پڑھنا شروع کردو۔اور جب تک یاد نہ آوے پڑھتے رہو۔چنانچہ اس نے نماز شروع کی پس فوراً ہی یاد آگیا۔اگر کوئی کہے کہ یہ تو خوب نسخہ ہاتھ آیا بہت سی چیزیں ہم کو یاد نہیں رہتیں اب اس تدبیر سے یاد ہوجایا کریں گی۔تو یاد رکھو بھولنے کی دو علتیں ہیں۔ایک تو یہ ہے کہ وہ شے متخیلہ کے اندر ہے لیکن شیطان نے محزون کرنے کیلئے دماغ میں تصرف کرکے اس کو بھلادیا (۲)۔بقولہ تعالیٰ وما انسانیہ الا الشیطان ان اذکرہ (۳) سو ایسی بھولی ہوئی شے بعلت مذکورہ نماز سے یاد آسکتی ہے (۴)۔دوسری علت یہ ہے کہ متخیلہ ہی میں کچھ فتور (۵) ہے اور اس کے لئے یہ تدبیر موثر نہ ہوگی۔سو اس

---

(۱) فرمانبردار (۲) وہ چیز تخیل میں ہے تو لیکن شیطان نے پریشان کرنے کیلئے اسکو بھلادیا (۳) اور یہ مجھ کو بھلا دیا شیطان ہی نے کہ اس کا ذکر کروں سورۃ کہف آیت ۶۳ (۴) ایسی بھولی چیز تو نماز سے یاد آجائیگی (۵) بھولنے کی دوسری وجہ یہ ہے کہ قوت متخیلہ ہی میں گڑبڑ ہے کہ حافظہ کمزور ہے۔

کا پہچاننا صاحب بصیرت امام ابوحنیفہؒ جیسے بزرگ کا کام ہے۔ اس سے نماز کو نسیان(۱) کا عام علاج سمجھنے کا شبہ جاتا رہا۔

باوجود وعدہ قرآنی ہماری نیکیاں گناہوں کو کیوں نہیں مٹاتیں

حاصل یہ ہوا کہ اعمال صالحہ میں تو یہ نیت رکھا کرو کہ اللہ تعالیٰ خوش ہوں گے اور نفس کے اندر اس کا ملکہ پیدا ہو جائے گا۔ اور یہ اب تک ہم میں مفقود(۲) ہے چنانچہ ہم نیکیاں تو کرتے ہیں لیکن اس نیت سے نہیں کرتے کہ ہماری حالت درست ہو جائے اسی لئے ان حسنات کو غلبہ نہیں ہوتا۔ مولانا رحمۃ اللہ علیہ نے ہمارے ان حسنات کی مثال لکھی ہے کہ کسی کے یہاں چور آیا وہ شخص آہٹ پاکر اٹھا اور چاہا کہ چقماق سے روشنی کر دے (چمقاق ایک پتھر ہے جس کے رگڑنے سے آگ پیدا ہوتی ہے پہلے زمانہ میں دیا سلائی(۳) کا کام اسی پتھر سے لیا جاتا تھا۔) چنانچہ چمقاق رگڑا اور سوختہ میں آگ لی(۴) وہ چور بھی پاس بیٹھا جب اس چمقاق سے کچھ آگ چھڑتی(۵) تھی تو چور اس پر انگوٹھا رکھ کر بجھا دیتا تھا۔ آخر وہ تنگ ہو گیا اور چمقاق کو چھوڑ کر لیٹ رہا، چور اسباب(۶) لے کر چلدیا۔

اس مقام پر مولانا رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا ہے کہ اے شخص تیری نیکیاں بھی مثل چمقاق کے ہیں کہ نور ان میں پیدا ہوتا ہے لیکن چور یعنی نفس و شیطان ہر وقت تیرے قرین ہیں۔ وہ تجھ سے معصیت(۷) کراتے ہیں پس جو نور ان حسنات(۸) سے پیدا ہوا

---

(۱) نماز کو بھول کا علاج سمجھنے کا شبہ نہ رہا (۲) یہ نیت نہیں پائی جاتی (۳) ماچس کا کام (۴) چمقاق رگڑ کر کسی خشک جلانے والی لکڑی کو جلایا اور آگ روشن کرلی (۵) جب اس چمقاق سے چنگاری نکلتی چور انگوٹھا رکھ کر بجھا دیتا (۶) چور سامان لے کر چل دیا (۷) نفس و شیطان تیرے ساتھ لگے ہوئے ہیں جو تجھ سے گناہ کراتے ہیں (۸) نیکیاں

تھا وہ گم ہو جاتا ہے۔ یہ وجہ ہے کہ حسنات کو غلبہ نہیں ہوتا پس اس تقریر سے معنی ان الحسنات یذھبن السیئات (۱) کے بر تفسیر اذہاب (۲) ملکہ کے ساتھ واضح ہو گئے کہ حسنات سے مراد وہ ہیں کہ جن میں بالمعنی مذکور صلاحیت ہو اور سیئات سے مراد وہ ہیں کہ جن کیساتھ اعتراف بمعنی ندامت بھی ہو۔ اس وقت بھی وہ اذہاب ضروری ہے۔ اور اسی طرح ان الصلوۃ تنھی عن الفحشاء والمنکر (۳) کے معنی بھی روشن ہو گئے کہ مقصود یہ ہے کہ جو صلوۃ صلاحیت کیساتھ موصوف ہو وہ فحشاء اور منکر سے روکتی ہے۔

نیکی کو ہر گز نہ چھوڑو

الحاصل نیکیاں بے اثر یا ضعیف الاثر (۴) نہیں ہیں۔ بعض آدمی جو یہ سمجھ کر اور مایوس ہو کر اعمال صالحہ چھوڑ بیٹھتے ہیں ان کی سخت غلطی ہے، اعمال صالحہ کو ہر گز نہ چھوڑنا چاہئے۔ گناہ ہو جائے تو اسکا معالجہ کر لینا چاہئے اور نیکیوں میں جو نیت پہلے مذکور ہو چکی ہے وہ کرتا رہے۔ انشاء اللہ تعالیٰ اعمال صالحہ ہی کو غلبہ ہو جائیگا اور وہ نیکیاں گو مخلوط بالذنوب (۵) ہوں ایسا کام کریں گی کہ سب خرابیاں دھو ڈالیں گی۔ اس وقت عسی اللہ ان یتوب علیھم (۶) کا ظہور ہو جاوے گا۔

یہ میں بلا دلیل نہیں کہتا بلکہ قاعدہ اور قانون شریعت سے کہتا ہوں کہ دیکھو ارشاد ہے من جاء بالحسنۃ فلہ عشر امثالھا (۷) یعنی جو شخص ایک نیکی

---

(۱) یہ جو قرآن میں ہے کہ نیکیوں سے گناہ مٹ جاتے ہیں اس سے ایسی نیکیاں مراد ہیں جو مذکورہ بالا معنی میں نیکیاں ہوں۔ (۲) نیکیوں میں برائی (۳) نماز بے حیائی سے روکتی ہے کے معنی واضح ہو گئے (۴) ایسا نہیں ہے کہ نیکیوں کا اثر ہی نہ ہو یا وہ کمزور اثر والی ہوں (۵) نیکیاں اگرچہ گناہوں کے ساتھ ملی ہوں (۶) عنقریب اللہ ان پر متوجہ ہوں گے اس وعدہ کا ظہور ہوگا (۷) سورۃ الانعام آیت ۱۶۰

لاویگا اس کے لئے اس کا دس گنا ہے۔ پس گناہ کہاں تک نیکیوں پر بڑھیں گے ضرور ہے کہ غلبہ اعمال صالحہ ہی کو ہوگا۔ اگر خلط میں گناہ اور نیکیاں برابر عدد میں بھی صادر (۱) ہوئیں مثلاً پچاس گناہ اور پچاس نیکیاں تب بھی غلبہ حسنات (۲) ہی کو ہوگا کیونکہ یہ پچاس نیکیاں برابر پانچ سو کے ہوں گی تو غلبہ بہر حال عمل صالح ہی کو ہوگا۔ اور کسی نہ کسی وقت ضرور ہی اثر پیدا کریں گی۔ اور رحمت متوجہ ہو جاوے گی۔ اور بالفرض اگر نیکیاں گناہوں سے کم بھی ہوں تو بھی اگر اصلاح کی فکر ہے تو اس نیت پر حق تعالیٰ خلاف قاعدہ قانون بھی فضل فرمادیتے ہیں اور فضل کے سامنے بیشمار گناہوں کی بھی کوئی حقیقت نہیں۔

گر جہاں پر برف گردد سر بسر تاب خوربگدازدش از یک نظر

(اگر دنیا سر بسر برف سے بھر جائے تو اس کو دیکھ اور ایک نظر ڈال کر چھوڑ دے)

اس لئے نیکیوں کو کبھی نہ چھوڑنا چاہئے۔ اور یوں نہ کہنا چاہئے کہ جب گناہ نہیں چھوٹتے تو تہجد سے کیا فائدہ اور تلاوت قرآن سے کیا نفع ہے۔ یاد رکھو جب کام بنے گا نیکیوں ہی سے بنے گا۔ ان کو ہرگز نہ چھوڑ و بعض مرتبہ ایک نیکی ایسی ہوتی ہے کہ کام بنا دیتی ہے۔

کسی نحوی کو مرنے کے بعد کسی نے خواب میں دیکھا پوچھا کہ بتلاؤ کیا معاملہ ہوا، کہا کہ حکم ہوا کہ ہم نے تجھ کو اس وجہ سے بخش دیا کہ تو نے ہمارے نام کو اعرف المعارف (۳)

---

(۱) جبکہ گناہ اور نیکیاں ملی جلی کرے اور تعداد میں دونوں برابر ہو جائیں (۲) نیکیوں (۳) اسم معرفہ میں سب سے زیادہ معرفہ ہونے کی صفت اللہ کے نام میں پائی جاتی ہے۔ اس لئے کہ معرفہ اس اسم کو کہتے ہیں جس سے کسی ذات کی پہچان ہو مثلاً حامد کسی کا نام اس کا نام ہونے کے اعتبار سے اس پر دلالت کرتا ہے، جبکہ اللہ کا نام اپنی ذات اور صفت دونوں اعتبار سے خدا پر دلالت کرتا ہے اسلئے اس کو اعرف المعارف کہتے ہیں۔

کہا ہے۔

جو لوگ سیئات (۱) میں الجھے ہوئے ہیں ان کو میں دو باتوں کی وصیت کرتا ہوں کہ جو وقت فرصت کا ملے اس میں ذکر اللہ کی کثرت کریں کہ اس سے عمل میں برکت ہوتی ہے۔ اور عمل کی توفیق ہوتی ہے اور ہر عمل صالح میں اس کی نیت رکھیں کہ اس سے باطن کی اصلاح ہو کہ اس سے وہ عمل موصوف بصالح (۲) ہوتا ہے۔ پھر ممکن نہیں کہ اس کا اثر متخلف (۳) ہو اور دوسرے یہ کہ گناہ ہو جائے تو فوراً توبہ کرلیا کریں کہ یہ اعتراف ہے حدیث شریف میں۔ کلّکم خطّائون وخیر الخطّائین التوّابون یعنی تم سب خطا کار ہو اور بہتر خطا کاروں کے توبہ کرنے والے ہیں۔ سبحان اللہ کیا شفقت ہے کہ خطا اور جرائم بھی کریں اور ان کو خیر بھی کہا جاوے یہ صرف برکت توبہ کی ہے اور حق تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں۔

وَالَّذِیْنَ اِذَا فَعَلُوْا فَاحِشَۃً اَوْ ظَلَمُوْٓا اَنْفُسَھُمْ ذَکَرُوا اللّٰہَ فَاسْتَغْفَرُوْا لِذُنُوْبِھِمْ (۴)۔ یعنی وہ ایسے لوگ ہیں کہ جب کوئی سخت گناہ کرتے ہیں یا اپنے نفسوں پر ظلم کرتے ہیں (یعنی صغائر کا ارتکاب کرتے ہیں) تو اللہ تعالےٰ کو یاد کرتے ہیں اس کے بعد اپنے گناہوں کی معافی چاہتے ہیں۔

صاحبو! ایسا بھی کوئی آقا اور مولا دیکھا ہے کہ اس کی نافرمانی کریں اور وہ خود تعلیم کرے کہ ہم سے معافی چاہو۔ اور اسی پر بس نہیں۔ اگر کوئی توبہ کرنے اور بخشش چاہنے سے شرمائے کہ کس منہ سے توبہ کروں میرا کیا منہ رہا ہے جو اللہ تعالےٰ سے

---

(۱) گناہوں (۲) یہ نیت ہوگی جب ہی عمل صالح کہلائے گا (۳) پھر ممکن نہیں کہ اثر نہ ہو (۴) سورۃ آل عمران آیت ۱۳۵۔

مغفرت مانگوں تو اس کو ارشاد ہے وَمَنْ يَغْفِرُ الذُّنُوبَ إِلَّا اللهُ (۱) یعنی شرمانے کا موقع تو جب تھا کہ خدا کے سوا کوئی اور ٹھکانا ہوتا۔ خدا کے سوا کون گناہوں کو بخشنے والا ہے۔

اہل اللہ سے تعلق کا فائدہ

مولانا رومی رحمۃ اللہ علیہ نے حکایت لکھی ہے کہ ایک شخص آلودہ نجاسات چلا جارہا تھا۔ دریا نے کہا کہ میرے پاس آمیں تجھے پاک کردوں۔ اس نے کہا کہ میں تو آلودہ ہوں کیسے آؤں، پاک ہوکر آؤں گا۔ دریا نے کہا کہ میاں صاحب شرم کو چھوڑو جب پاک ہوگے مجھ ہی سے یا میرے کسی جزو سے ہوگے (۲)۔ اور اگر شرم ہی شرم میں رہو گے تو تمام عمر ناپاکی اور آلودگی میں گذر جاوے گی تو صاحب خدا تعالےٰ کا تعلق ہی ایک ایسی شے ہے کہ جو تم کو پاک صاف کریگا۔ پھر تعلق و توجہ میں پاکی کا انتظار کیا معنی۔ پس کیسے ہی بُرے ہو جاؤ مگر اللہ تعالےٰ سے تعلق نہ چھوڑو گناہوں کا ہونا عجیب نہیں مگر خدا کے ساتھ تعلق رکھو اور اللہ والوں سے تعلق یہ بھی خدا ہی سے تعلق رکھنا ہے۔ پس کسی حال میں بھی اہل اللہ سے قطع تعلق نہ کرو بعض آدمی شرمایا کرتے ہیں کہ ہماری ڈاڑھی کٹی ہوئی ہے پائچے ٹخنوں سے نیچے ہیں، شب و روز گناہوں میں مبتلا ہیں ہم بزرگوں کی خدمت میں کس طرح جاویں تو اس کا کچھ خیال نہ کرنا چاہئے تم اسی حالت میں ان کے پاس حاضر ہوا کرو۔ اور اگر اس کا انتظار کرو گے کہ جب حالت درست ہوگی تو جاویں گے تو ساری عمر اسی حالت میں گزر جاوے گی۔ اس لئے کہ

(۱) اور کون ہے گناہ بخشنے والا سوائے اللہ کے۔ ال عمران آیت ۱۳۵ (۲) ظاہر ہے کہ پاکی پانی کے کسی قطرے سے ہی ہوگی جو جز ہوگا دریا کا۔

حالت تو درست ان کے پاس جانے ہی سے ہوگی۔ جب آتے جاتے رہو گے تو ضرور شرم آوے گی۔ اور ان گناہوں کا ترک آسان ہو جاوے گا۔ اور ان کو بھی ان کے حال پر توجہ ہوگی۔ کبھی نہ کبھی دعا کر دیں گے۔

اور بالفرض اگر اصلاح بھی نہ ہوئی ہے تو حدیث شریف میں ہے کہ المرء مع من احب یعنی آدمی اس کے ساتھ ہے جس کو وہ چاہتا ہے تو جب بزرگوں سے محبت ہوگی اور وہ بزرگ ہیں مقام مقبولیت میں تو یہ شخص بھی ان کے ساتھ مقام مقبولیت میں ہوگا۔ اور مقبول ہونا موقوف ہے مغفور ہونے پر پس ضرور مغفور بھی ہو جائے گا(۱) غرض بزرگوں کی معیت کسی وقت نہ چھوڑے۔

وصول الی اللہ کا آسان طریقہ

ایک چیونٹی کو ہوس ہوئی کہ کعبہ شریف پہونچے۔ لیکن بچاری ضعیف ننھی سی چیونٹی اگر سیکڑوں ہزاروں برس بھی چلے تو وہاں تک رسائی نہ ہو لیکن شوق اس کو بیحد ہوا، دیکھتی کیا ہے کہ کبوتران حرم میں سے ایک کبوتر آیا اس نے اس کو غنیمت سمجھا اور فوراً اس کے پاؤں کو لپٹ گئی اس نے جو ایک جست (۲) کی تو داخلِ حرم ہو گیا۔ چیونٹی نے جو آنکھ کھولی تو دیکھا سامنے بیت اللہ شریف جلوہ گر ہے۔ اسی کو فرماتے ہیں

بود مورے ہوسے داشت کہ در کعبہ رسد　　　دست بر پائے کبوتر زد و ناگاہ رسید

(ایک چیونٹی کی خواہش تھی کہ کعبہ پہنچے تو اس نے یہ کیا کہ کبوتر کے پیر سے اپنے ہاتھ باندھ دیئے اور اچانک پہنچ گئی)

اسی طرح اگر کسی کو ہوس (۳) ہو کہ میں حق تعالیٰ تک پہنچ جاؤں تو اس بیچارے کی

(۱) مقبول بندہ جب بنے گا کہ اس کے گناہ بخش دیئے جائیں پس ضرور ہے کہ اس کے گناہ بھی بخش دیے جائیں گے

(۲) ایک ہی پرواز میں حرم کہ میں داخل ہو گیا (۳) خواہش ہو۔

کیا ہمت اور مجال ہو سکتی ہے کہ وہاں تک پہنچ سکے، اس لئے اس کو چاہئے کہ کسی وہاں کے رہنے والے کا دامن پکڑے یعنی کسی کامل کے قدموں سے لگ جاوے، اس کا یہ مطلب نہیں کہ معیت ہی ہو جاوے اصل شے محبت اور صحبت ہے۔ بزرگوں کی محبت اور ان کی توجہ وہ شے ہے کہ تھوڑے دنوں میں حالت درست ہو جاتی ہے۔ جب ان سے محبت ہوگی تو عقائد میں خیالات میں اعمال میں ہر شے میں ان کا اتباع کرنے کو دل چاہے گا۔

غرض ایسے اسباب جمع ہو جائیں گے کہ جس سے حالت خود بخود روز بروز درست ہوتی جائے گی۔ اور وہ امراض جن کے علاج سے یہ عاجز ہو گیا تھا ان کی ادنیٰ توجہ سے جاتے رہیں گے۔

خلاصہ وعظ

خلاصہ تمام تر تقریر کا یہ ہوا کہ اعمال صالحہ میں نیت حق تعالیٰ کے خوش کرنے کی اور اصلاحِ باطن کی رکھے، اور گناہ ہو جائیں تو ندامت (۱) سے اعتراف کرے اور بزرگوں کی صحبت اختیار کرے۔ اس معالجہ سے انشاءاللہ تعالیٰ خلط کی حالت جاتی رہے گی اور اعمالِ صالحہ ہی کو غلبہ ہو جائیگا (۲)۔

یہ مضمون ضروری تھا جو مجھ کو آیت وَاٰخَرُوْنَ اعْتَرَفُوْا الخ سے مستنبط (۳) کرنا تھا۔ اب اللہ تعالیٰ سے دعا کرو کہ عمل کی توفیق عطا فرمادیں۔

وصلے اللہ تعالیٰ علے خیر خلقه سیدنا ونبینا محمد و اٰله واصحابه وسلم۔

آمین

---

(۱) شرمندگی (۲) اچھے اور برے اعمال ملے جلے نہیں رہیں گے بلکہ غلبہ نیک اعمال کو ہو جائیگا (۳) آیت مذکورہ سے یہ مسئلہ نکالنا تھا۔   فقط: خلیل احمد تھانوی

Muhammad Ashiq Elahi Al-Barni
P.O.Box: 706 - Madina Munawwara
Kingdo of Saudi Arabia
☎ 8367205 - Fax: 8367205 - 8383426

بسم الله الرحمن الرحيم

محمد عاشق إلهي البرني عفي عنه
ص.ب: ٧٠٦ - المدينة المنورة
المملكة العربية السعودية
☎ ٨٣٦٧٢٠٥ - فاكس: ٨٣٦٧٢٠٥ - ٨٣٨٣٤٢٦

Date / / 200

التاريخ ١٨/١٠/١٤٢١هـ

مکرمی حضرت جناب مولانا خلیل احمد تھانوی صاحب، زید مجدہ

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

آپ کے مرسلہ دو رسالے "الامداد" موصول ہوئے آپ نے فقیر کو [illegible]
سمجھا، جزاکم اللہ [illegible]، آپ نے ستر سال پہلے کی یاد تازہ کر دی
جب تھانہ بھون سے "الامداد" نکلا کرتا تھا، اور حضرت حکیم الامت قدس سرہ
کے مواعظ شائع ہوا کرتے تھے! یہ رسالہ جاری فرما کر آپ نے بہت بڑی خیر کا بیڑا
اٹھایا ہے۔ اللہ تعالیٰ آپ کو کامیاب فرمائے، اور پوری کامیابی کے ساتھ رسالہ کو
جاری رکھنے کی تیسیر و توفیق سے نوازے۔ آمین۔ حضرت حکیم الامت قدس سرہ کے
مواعظ میں بڑے معارف و نکات اور علماء و غیر علماء کیلئے بڑی اہم تنبیہات و
ہدایات ہیں۔ پڑھنے سے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ ابھی کسی مسجد میں وعظ کہا ہوگا۔

العبد
محمد عاشق الٰہی